U18429. Date 23-12-09

Title - AARYAYEE ZUBANEIN

Creator - Siddhishor Verma.

Publisher - Azam Steam Press (Hyderabad)

Date - 1942

Pages - 103.

Subjects - Zuban - Aaryayee ; Lisaniyaat.

26666

سلسلۂ ادارۂ ادبیاتِ اُردو شمارہ (۸۴)

آریائی زبانیں

جس میں آریائی زبانوں کے ارتقا اور ہند آریائی
اور ایرانی زبانوں اور ان کی خصوصیتوں کی
وضاحت کی گئی ہے۔

از
سدھیشور ورما
ایم اے۔ شاستری۔ ڈی لٹ
پروفیسر سنسکرت و لسانیات۔ پرنس آف ویلز کالج جموں

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن
۱۹۴۲ء

ملنے کا پتہ
سب رس کتاب گھر
خیریت آباد حیدرآباد دکن
قیمت...... ایک روپیہ

فہرست

تمہید

(صفحات ۷ تا ۳۰)

آریائی زبانیں

(صفحات ۳۱ تا ۵۰)

ہند آریائی زبانیں

(صفحات ۵۱ تا ۶۴)

ایرانی زبانیں

(صفحات ۶۵ تا ۸۸)

دیباچہ

از پروفیسر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ ۔ ایم اے ۔ پی ایچ ڈی (لندن)
صدر شعبۂ اُردو جامعۂ عثمانیہ و معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اُردو

اُردو میں لسانیاتی کتابوں کی بے حد کمی ہے۔ ٹھیٹ فنی اصولوں کے لحاظ سے تو ہماری زبان میں اب تک صرف ایک ہی کتاب "ہندوستانی لسانیات" مرتبہ اور شایع ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں یوں بھی ماہرین لسانیات بہت کم ہیں اور جو ہیں ان میں سے دو چار ہی اُردو زبان میں لکھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سدھیشور ورما ان محدود دے چند ماہرین میں اپنی لیاقت اور تجربے کی بنا پر خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہی ماہرانہ خصوصیات کی بنا پر وہ "ہندوستان کی انجمن لسانیات" کے صدر منتخب ہوئے اور ان کی کتابیں اور مقالے ہندوستانی زبانوں کی لسانیاتی و صوتیاتی کتب میں خاص وقعت رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر ورما نے اردو انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب میں ادارۂ ادبیات اُردو کی بے حد مدد فرمائی ہے اور اُردو میں لسانی و صوتی اصطلاحوں کی ترتیب و ترجمہ کا بھی معتد بہ کام انجام دیا ہے۔ چنانچہ ادارہ قریب میں ایک

"فرہنگ اصطلاحاتِ لسانیات وصوتیات" شایع کررہا ہے جس کے بعد توقع ہے کہ اردو زبان کے لسانی وصوتی مسائل سے متعلق ادب کی ترتیب و اشاعت میں سہولت پیدا ہو جائے گی فنی مصطلحات کی کمی بھی ایک ایسی رکاوٹ ہے کہ اردو میں لسانی وصوتی مسائل پر کچھ لکھنا مشکل نظر آتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ان اصحاب اور خاص کر طلبہ کے لیے بے انتہا مفید ثابت ہوگی جو اردو زبان کا فنی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اردو جس خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہے اس کی نسبت ضروری معلومات حاصل کیے بغیر اس زبان کی اہم خصوصیتیں اور ارتقائی منزلیں سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

تمہید

ہندوی

(یعنی ہندی ۔ اُردو ۔ ہندوستانی)

نوٹ

کتاب کے اس حصہ میں صفحہ ۲۱ سطر ۱۱ میں ایک جملہ غلط درج ہوگیا ہے:-

غلط	صحیح
ادبی زبانوں کی بنیادی نوعیت	معیاری زبانوں کی بنیادی نوعیت

تمہید

عہد حاضر کی لسانیات نے باریک بیں انسان کے آگے ایک بالکل نئی ، حیرت انگیز دل فریب اور لطیف دنیا کھول دی ہے ۔ لسانیات کی تحقیقات سے ظاہر ہو گیا ہے کہ دنیا کی زبانوں اور خاص کر بولیوں کے تلفظ میں وہ دلچسپ لطافتیں ، لہجے میں وہ بے شمار باریکیاں ، اور محاورے میں وہ دلچسپ پیچیدگیاں ہیں جو موسیقی کے نغموں اور ترانوں سے ہرگز کم نہیں ۔ بقول اقبال

آنکھ سے دیکھو تو اک قطرہ میں ہے طوفان حسن

یہ کتاب آریائی زبانوں اور بولیوں کا ایک تبصرہ ہے ۔ یہ زبانیں زیادہ تر ہندوستان اور ایران میں بولی جاتی ہیں ۔

لندن میں میرے ایک پروفیسر ہندوستان کو "لسانیاتی بہشت" کہا کرتے تھے ۔ یہاں (۲۲۵) زبانیں بولی جاتی ہیں ۔ اور بولیوں یعنی مقامی زبانوں کی تعداد (۷۵۰) بتائی گئی ہے ۔ ان زبانوں کی وسیع انحرافی نیرنگیاں ہی ہندوستان کو ایک بہشتی سیرگاہ بناتی ہیں ۔ لیکن ان متعدد زبانوں میں سے تقریباً چھبیس ۲۶ کروڑ انسان آریائی زبانیں بولتے ہیں ۔ سات کروڑ دراوڑی ــ ڈیڑھ کروڑ تبت چینی ۔ اور نصف کروڑ منڈا ۔ اس لحاظ سے آریائی زبانیں اس ملک میں نہایت اہم ہیں ۔ آریائی زبانوں کی دو بڑی شاخیں ہیں ۔ ایک ایرانی دوسری ہند آریائی ۔ ایرانی زبانوں کو ہندوستان کے تقریباً ۲۳ لاکھ باشندے بولتے ہیں ۔ لیکن ہند آریائی (مثلاً بنگالی ۔ مراٹھی ۔ ہندی) بولنے والوں کی

تعداد پچیس کروڑ سے زیادہ ہے[1]۔

ہند آریائی کی نہایت حیرت انگیز اور قابلِ ذکر خصوصیت اس کا طویل اور مسلسل ارتقا ہے جو کہ ۱۵۰۰ برس قبل مسیح سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔ بقول چیٹرجی دنیا کے کسی دیگر لسانیاتی گروہ میں اتنا لمبا اور مسلسل ارتقا مشاہدہ میں نہیں آیا۔ اس خصوصیت کی وجہ ویدوں کی قدیم یادداشتوں کی موجودگی ہے[2]۔

ہند آریائی کی نہایت اہم شاخ وہ زبان ہے جسے غیر واضح معنی میں "ہندوستانی" کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کتاب میں اسے **ہندوی** کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ لفظ ہندوی اس زبان کے ناموں میں سب سے پرانا ہے[3]۔ اس کے بعد "ہندی" "اردو" اور "ہندوستانی" کا استعمال ہونے لگا۔ **گریرسن** اور دیگر متعدد مصنفوں نے اس زبان کو "ہندی" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ لیکن چونکہ ہندی کے معنی اب کثیر التعداد طبقوں میں بہت محدود ہو گئے ہیں (عام طور پر یہ اس زبان کا نام ہے جس کا رسم الخط دیوناگری اور جس میں سنسکرت الفاظ کی بھرمار ہوتی ہے۔) اور اس لیے غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اور زبان مخصوص کو وسیع سے وسیع معنی میں پھیلانے کے لیے (تاکہ اس میں ادبی ہندی۔ ادبی اردو

---

[1] ڈاکٹر بابو رام سکسینا۔ عہد حاضر کی ہندوستانی زبان کے چند مسئلے۔ صفحہ ۶۔ ۶۱۔

[2] ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی۔ ہند آریائی و ہندی۔ صفحہ ۳۔

[3] چیٹرجی۔ ہند آریائی و ہندی صفحہ ۱۵۱۔

ان پڑھ لوگوں کی ہندوستانی وغیرہ سب کی شمولیت ہو جائے) میں نے اس پرانے لفظ ہندوی کو ترجیح دی ہے۔ چونکہ "ہندوستانی" کے لفظ پر آج کل بہت بحث ہو رہی ہے اور یہ غیر واضح ہو گیا ہے اس لیے اس کا استعمال نہیں کیا گیا بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے ہندوی (یعنی اُردو اور ہندی کے مجموعے) کا نمبر دنیا میں تیسرا ہے۔ یعنی اول نمبر چینی کا۔ دوسرا نمبر انگریزی کا۔ اور تیسرا نمبر ہندوی کا ہے[1]

ہندوی زبان کو (تھا۔ میں۔ پر۔ سے) ۔ (اِس۔ اُس۔ جِس۔ کِس) (نا۔ تا۔ آ۔ گا) والی زبان کہا گیا ہے۔ کیونکہ ہندوی اپنے ان مخصوص حروف جار اسم ضمیر۔ مصدر۔ فعل حال وغیرہ کی شکلوں کے لحاظ سے دوسری ہندوستانی زبانوں سے بالکل مختلف اور منفرد ہے۔[2]

---

[1] چیٹرجی۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۷۔

[2] 〃 〃 〃 ۱۳۱۔ ۱۵۴۔

ہندوی زبان کا ماخذ وارتقا

ہندوی وہ زبان ہے جو شوُرسینی پراکرت (جو کہ وسطی ہندوستان میں مروج تھی) کی نسل سے ہے۔ جب مسلم حملہ آور ہندوستان میں آئے تو اس وقت شوُرسینی پراکرت سے ماخوذ شوُرسینی آپ بھرنش (مغربی) دہلی اوراس کے گرد و نواح میں بولی جاتی تھی۔ ہندوی کا ارتقا سات سو سالوں میں ہوا (یعنی ۱۱۰۰ عیسوی سے ۱۸۰۰ عیسوی تک)۔ گیارہویں اور بارہویں صدی کے چند مسلم مورخوں نے ہند کی زبان "ہندو" یا "ہندی" کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ۱۰۲۲ عیسوی میں طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین نے کلنجر کے راجہ کی مصنفہ چند نظموں کا (جو اس نے ہندو زبان میں تیار کیں) ذکر کیا ہے۔ پہلا مسلم جس نے "ہندی" میں کچھ لکھا مسعود ابن سعد تھا جس کا انتقال ۱۱۳۰ عیسوی کے قریب ہوا۔ لیکن یہ "ہندو" یا "ہندی" مغربی آپ بھرنش کی ایک شاخ تھی۔ غالباً ابھی ہندوی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سولہویں صدی سے پیشتر کی ہندوی کا کوئی بہت وسیع اور معتبر مواد اور نمونہ نہیں ملتا۔ اگرچہ بنگالی۔ مراٹھی۔ اور گجراتی زبانوں کا کافی مواد مل گیا ہے۔

ہندوی زبان کا حقیقی آغاز اس طرح ہوا۔ جب مسلم حملہ آور پنجاب سے آکر دہلی کے علاقے میں سکونت پذیر ہو گئے تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ ان کا تعلق

رفتہ رفتہ بڑھنے لگا۔ اس علاقے کی ادبی زبان برج بھاکھا تھی لیکن چونکہ وہ صرف عالموں کی ایک خاص بولی تھی اس لیے اس کے لیے مسلمانوں کے دل میں کوئی کشش پیدا نہ ہوئی۔ ان کے لیے زیادہ دلکش وہ زبان تھی جو دہلی کے بازاروں اور ضلع میرٹھ میں بولی جاتی تھی۔ اس کا پہلا نام "ہندوی" یا ہندی تھا جس کے معنی "ہند کی" یا "ہندوں کا" تھے۔

صوتی نقطۂ نگاہ سے ہندوی میں اتنی تبدیلیاں نہیں ہوئیں جتنی کہ دیگر ہند آریائی زبانوں میں ہوئی ہیں۔ مثلاً قدیم ہند آریائی کے دم کشیدہ حروف صحیح (بھ۔ گھ۔ دھ۔ چھ) اس زبان میں اب تک محفوظ ہیں۔ لیکن پنجابی۔ مشرقی بنگالی و کشمیری میں ان حروف نے پیچیدہ شکلیں اختیار کر لی ہیں۔ اس لحاظ سے ہندوی کی اہمیت قابل ذکر ہے[1]۔ اگرچہ ہندوی زبان پنجابی زبان سے مختلف ہے تاہم ہندوی پر پنجابی کا کافی اثر معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً جہاں ہندوی میں بے شمار ایسے الفاظ ہیں جن میں قدیم ہند آریائی کے مرکب حروف صحیح مختصر ہو کر ان کا حرف علت اکثر لمبا ہو گیا ہے۔ جیسے ہندوی (کام) قدیم ہند آریائی (کرم) ہندوی (لاکھ) قدیم ہند آریائی (لکش)۔ وہاں اب تک بھی متعدد ایسے ہندوی الفاظ موجود ہیں جن میں یہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ مثلاً ہندوی (سچ) قدیم ہند آریائی (ستیہ) ہندوی (کل) قدیم ہند آریائی (کلیہ)۔ اور

[1] چیٹرجی۔ ایضاً صفحہ ۷۷۔ ۱۰۶۔ ۱۱۱۔

دکنی ہندوی میں تو ایسے الفاظ کی تعداد اور بھی زیادہ ہے۔ ایسے الفاظ میں پنجابی کا اثر صاف ظاہر ہوتا ہے[1]۔

---

[1] ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زور ہندوستانی لسانیات صفحہ ۱۰۶-۱۰۷
ہندوستانی صوتیات صفحہ ۳۴

ہندوی اور مسلمان

پچاس برس ہوئے (یعنی ۱۸۹۲ عیسوی میں) بھودیو مکرجی نے لکھا تھا کہ "ہندوی" کی اشاعت کا باعث مسلمان ہیں۔ مکرجی کے بیان کا ترجمہ یہ ہے۔ "جو زبانیں ہندوستان میں مروج ہیں ان سب میں اہم زبان ہندی ہندوستانی ہے۔ اور مسلمانوں کی مہربانی سے یہ تمام برِ اعظم ہندوستان میں پھیل گئی ہے۔[1]"

بقول چیٹرجی سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں ہندوی کی توسیع ان عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے جن کو مغل سلطنت نے ہندوستان کو بخشا ہے۔ اٹھارھویں صدی کے مغلیہ دربار میں ادبی اردو کا استعمال ایک فخر سمجھا جاتا تھا۔ اور اردو نظموں کی شاہی قدردانی خوب ہوا کرتی تھی۔ مغلیہ لشکروں اور سرکاری افسروں کے ذریعے ہندوی کی توسیع دور دراز تک ہوئی۔[2]

امیر خسرو نے تیرھویں۔ چودھویں صدی میں ہندوی میں چند پرلطف نظمیں لکھیں۔ اس کے بعد چودھویں صدی میں کبیر اور پندرھویں صدی میں سکھ گوروؤں نے مذہبی نظمیں لکھ کر ہندوی کی اور بھی توسیع کی۔ ہندوی محض برج بھاکھا تک ہی محدود نہ رہی بلکہ مشرقی ہندی اور

---

[1] چیٹرجی صفحہ ۱۴۴۔
[2] چیٹرجی صفحہ ۱۸۲ ۔ ۱۸۳ ۔ ۱۰۳ ۔

پنجاب کی مشرقی سرحد سے بھی الفاظ کا خزانہ حاصل کیا اور اس طرح صرفی ونحوی مختلف تشکیلوں کی شمولیت اس میں ہوتی رہی۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں مسلمان اپنی ادبی تصنیفات اکثر ہندی میں ہی کرتے رہے جیسا کہ محمد جائسی کی "پدماوتی" (۱۵۴۵ء) اور بیجاپور کے شاہ برہان الدین جانم کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

ادبی ہندی ادبی اردو سے تقریباً دو صدی زیادہ پرانی ہے۔ پندرھویں صدی میں کبیر کے دوہے ادبی ہندی میں لکھے گئے تھے۔ یہ ادبی برج بھاکھا کے دائرے سے زیادہ وسیع تھی۔ اور اس کو زیادہ وسیع علاقوں میں سمجھا جاسکتا تھا[1]

---

[1] چیٹرجی۔ صفحہ ۱۸۲-۱۸۳-۱۰۲-

اُردو کا آغاز

ہندوی کے دوسرے نام (زبان اُردو) کا آغاز سترھویں صدی کے آخری حصہ میں ہوا تھا۔ جب دہلی کے حملہ آور یکے بعد دیگرے دکن میں پہنچے تو ان کی زبان "اُردو" کہلائی جانے لگی۔ لفظ "اردو" شہنشاہ اکبر کے چند سکّوں میں پایا گیا ہے۔ وہاں اس کے معنی "شاہی رہائش" ہے۔ یہ لفظ ترکی ہے۔ اور اس کے لغوی معنی "خیمہ" یا چھاؤنی ہے۔ پایہ اور دیگر ترک بادشاہوں کے دربار خیموں میں ہی لگا کرتے تھے۔ لہذا اردو لفظ کے مابعد معنی "دربار" ہو گئے اس کے بہت عرصے بعد یعنی سترھویں صدی میں درباری زبان بھی "اردو" کہلانے لگی۔ اور جب اورنگ زیب کے لشکر دکن پہنچے تو ان کی زبان "زبانِ اردوے معلّے" کہلانے لگی۔

ادبی اردو کا آغاز پہلے پہل دکن میں ہی ہوا۔ اس کے بالمقابل دہلی میں ہندوی کی ادبی بولی اب تک برج بھاکا ہی رہی۔ اگرچہ دکن میں بھی ہندوی کی چند بولیاں موجود تھیں تاہم مُلّا وجہی (۱۶۰۹ء) اور سلطان محمد قلی قطب شاہ (۱۵۸۰ - ۱۶۱۱ء) کی تصنیفات سے دکن میں ادبی اردو زبان مستحکم ہو گئی۔

دکن کی مثال سے متاثر ہو کر دہلوی لوگوں نے بھی اردو میں نظمیں لکھنی شروع کر دیں۔ لیکن یہ واقعہ سترھویں صدی کے آخر کا ہے۔

جدید ادبی اُردو کا پہلا شاعر ولیؔ تھا جو دکن سے دہلی آیا تھا۔ جو زبان اس وقت دہلوی نظم میں مستعمل ہوئی اس میں عربی و فارسی کے الفاظ مقابلتہً کم تھے۔ اس زبان کو ریختہ (عربی و فارسی کے کہیں کہیں "بکھرے ہوئے" الفاظ) کہتے تھے۔

ہندی و اردو نثر کا آغاز

برطانوی راج سے پہلے اردو اور ہندی دونوں زیادہ تر نظم کی شکل میں رہیں۔ برطانوی راج کے ساتھ ہی ہندی اور جدید اردو دونوں میں نثر کا آغاز ہوگیا ہندی نثر کا آغاز اٹھارھویں صدی کے اواخر میں برطانوی گورنمنٹ کے منشی سدا سکھ کی قلم سے ہوا جس نے بھاگوت پران کا ہندی ترجمہ کیا۔ جدید اردو نثر کا آغاز پہلے پہل زیر سایۂ گورنمنٹ ہند انیسویں صدی کے شروع میں ہوا۔ "**باغ و بہار**" مصنفۂ میر امن اور "**خرد افروز**" مصنفۂ **حفیظ الدین احمد** یہ جدید اردو نثر کی سب سے پہلی کتابوں میں سے ہیں۔

ہندوستانی اگرچہ لفظ "ہندوستانی" کے مفہوم کے متعلق ابھی تک ملک میں زبردست مباحثہ ہو رہا ہے۔ اور اس کے متعلق اختلاف رائے محیر العقول ہے تاہم اس لفظ کے آغاز پر کچھ روشنی ڈالنا نامناسب نہ ہوگا۔ یوروپین سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ سترھویں صدی کے آغاز میں عام بول چال کی زبان کو ہندوستان میں "ہندوستانی" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اس وقت اسے شمالی ہندوستان میں دیوناگری حروف میں لکھا جاتا تھا یورپین لوگوں کے لیے جن میں سورت یا شمالی ہندوستان کے شہروں سے کام پڑتا تھا۔ اس زبان کو سیکھنا ضروری تھا۔

لے۔ چیٹرجی۔ صفحہ ۱۰۳۔ ۱۰۹۔

ڈچ ملازموں کے استعمال کے لیے کیٹیلا لاٹر نے پہلے پہل ایک یورپی زبان (ڈچ) میں "ہندوستانی" زبان کی ایک صرف و نحو ۱۷۱۵ عیسوی میں لکھی۔[1]

---

[1] چیٹرجی۔ صفحہ ۱۴۶۔

عہد حاضر کی معیاری ہندوی
یعنی
ہندی ۔ اُردو و ہندوستانی

ہندوستان کے متعدد باشندوں کو ہند آریائی کے متعلق کچھ واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت قدرتاً محسوس ہوگی۔ اور ہند آریائی میں بھی خاص کر اس کتاب کے ناظرین کو ہندی اُردو و ہندوستانی کی موجودہ حالت و مستقبل کو جاننے کی بھی تمنا ہوگی۔ لیکن چونکہ اس کتاب میں ان زبانوں کی توضیح صرف لسانیات کے نقطۂ نگاہ سے کی گئی ہے نہ کہ ادبیات کے نقطۂ نگاہ سے لہٰذا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند بنیادی امور واضح طور پر بیان کیے جائیں جن کی بنا پر لسانیاتی حلقوں میں زبانوں اور بولیوں پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

لسانیات کے نقطۂ نگاہ سے زبان کی تین اقسام ہیں :۔

(۱) معیاری زبان (۲) تحریری زبان (۳) ادبی زبان۔

(۱) ادبی زبان کی بنیادی نوعیت یہ ہے کہ یہ مختلف بولیوں کے درمیان ایک نقطۂ اعتدال کا کام دیتی ہے۔ اگر کسی سماج کی ہر ایک جماعت تمام طبقوں میں اپنی ہی بولی کو استعمال کرے تو نہ صرف سماجی تعلقات ناممکن ہو جائیں گے بلکہ سخت لسانیاتی گڑبڑ ہو جانے کا اندیشہ

ہے۔ لہذا کسی معیاری زبان کے زندہ رہنے کی دو شرائط ہیں۔ اول معیاری زبان کو اپنی متعلقہ بولیوں کی طرف سے نفرت اور کڑا پن کے رجحان سے پرہیز کرنا ہو گا۔ ان بولیوں سے بھی گاہے بگاہے متعدد الفاظ کو اپنے خزانۂ الفاظ میں شامل کرنا ہو گا۔ دوئم بولیوں کو بھی اکثر معیاری زبان کے آگے جھک کر اپنی عصبیت اور درشتی کو چھوڑنا ہو گا۔[1]

صحیح معنوں میں معیاری زبان وہ ہے جس کے ذریعے زندگی کے سارے پہلوؤں اور پیچیدہ خیالوں کا اظہار ہو سکے۔ اور جس کے ذریعے سے سب لوگ اس قسم کا اظہار کر سکیں۔[2]

(۲) تحریری زبان وہ ہے جو دنیاوی کاروبار کے لیے مستعمل ہوتی ہے۔ مثلاً راجہ اشوک کے کتبے جو کہ عام لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے عام فہم بولیوں میں لکھے گئے تھے۔ یا آج کل کی تجارتی خط و کتابت۔ تحریری زبان کی خاص نوعیت یہ ہے کہ یہ اکثر معیاری زبان کے زیادہ قریب رہتی ہے لہذا اس لحاظ سے تحریری زبان اور ادبی زبان میں بہت فرق ہے۔ تاہم تحریری زبان بھی اکثر معیاری زبان کے ارتقا میں سدراہ ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ تحریری زبان کی تشکیلیں کچھ عرصے کے بعد کڑی اور بے جان رہ جاتی ہیں۔ اس کے برعکس معیاری زبان

۱؎ واندری۔ زبان (انگریزی ترجمہ صفحہ ۲۷۳)
۲؎ چیٹرجی۔ ہند آریائی و ہندی صفحہ ۲۱۸۔

بہت جلد تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور اسی لیے کبھی بھی ہمیشہ کے لیے تحریری زبان کے تحت میں نہیں آسکتی۔ اس کی خاصیت ارتقا ہے۔ آخر کار معیاری زبان تحریری زبان کی پابندیوں کو توڑ کر آگے چلتی ہے۔ اور اکثر تحریری زبان کو پیچھے مردہ ہی رہ جانا پڑتا ہے۔ واندری کو اندیشہ ہے کہ کہیں فرانسیسی تحریری زبان بھی مردہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ فرانسیسی تحریری زبان عام بول چال کی فرانسیسی زبان سے نہایت مختلف ہو گئی ہے۔[1]

(۳) ادبی زبان جو ادبیات میں مستعمل ہوتی ہے اکثر معیاری اور تحریری زبان سے دور رہتی ہے۔ متعدد ملکوں میں ادبی مصنفوں کی ذات عام لوگوں سے الگ ہوتی ہے۔ ان کی زبان ایک 'خاص زبان' ہے۔ اس "خاص زبان" کی مختلف تشکیلیں ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً سنسکرت زبان زیادہ تر مذہبی زبان تھی۔ سنسکرت کے بعد پراکرت زبانیں جو ہم کو دستیاب ہوئی ہیں محض ادبی زبانیں تھیں۔ اگرچہ ان کی بنیاد بھی اس زمانے کی بولیاں تھیں۔ ایسی ادبی زبانیں معیاری زبان کی خاص بولیاں کہلائی جا سکتی ہیں۔ معیاری زبان تو ملک کے خاص طبقوں میں میل جول کا ذریعہ ہے۔ لیکن ادبی زبان صرف چند طبقوں میں ہی سمجھی جا سکتی ہے۔ اس لحاظ سے ادبی زبان کو "اصطلاحی بولی"

---

[1] واندری۔ زبان۔ صفحہ ۲۷۸۔

بھی کہہ سکتے ہیں۔ ادبی زبان معیاری زبان سے کتنی دور جا سکتی ہے اس کا اندازہ ٹکسالی سنسکرت کی ایک کتاب راگھو پانڈوی بحیٔ مصنفہٗ کویراج سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب ایک نظم ہے جو ایک ہی وقت میں رامائن اور مہابھارت کے افسانے کو بیان کرتی ہے ہر ایک مصرعہ ذو معنی ہے۔ ساتھ ہی مصنف رامائن اور مہابھارت کے معنی کو جتلاتا ہے۔ اور تمام مصرعے اسی ترتیب میں تیار کیے گئے ہیں۔ ادبیات کے نقطۂ نگاہ سے چاہے ایسی تصنیف سے کمال لیاقت چمکتی ہو، لسانیات کے نقطۂ نگاہ سے اس قسم کی زبان معیاری زبان سے بہت دور ہے۔ یہ ایک دماغی مداری کا کھیل ہے۔ اور عالموں کے ایک خاص فرقے کی محض ایک بولی ہے۔[1]

اسی خیال کو مد نظر رکھ کر پیرس کے فاضل اجل **جولز بلاک** نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اپنے زمانے میں ٹکسالی سنسکرت سماج کے محض اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقوں کی زبان تھی۔ لہٰذا اہل لسانیات اس زبان سے براہ راست کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہل لسانیات کو ٹکسالی سنسکرت سے تقریباً کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ سنسکرت طرز تحریر پر روشنی ڈالی جا سکے۔[2]

---

[1] **مکڈانل** ۔ تواریخ ادبیات سنسکرت ۔ صفحہ ۳۳۱ ۔
[2] **جولز بلاک** ۔ ہند آریائی ۔ صفحہ ۴ ۔ ۵ ۔

متذکرۂ بالا بنیادی امور کو مدنظر رکھ کر اب ہم پہلے معیاری ہندوی کی حقیقت پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معیاری ہندوی وہ زبان ہے جس میں معیاری ہندوی کی تمام بولیاں (ان پڑھ گنوار کی بولی سے لے کر عالم اور پنڈت کی بولی تک) شامل ہیں۔ لسانیاتی نقطۂ نگاہ سے معیاری ہندوی کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس کو کثیر التعداد انسان سمجھ سکیں۔ وہی صحیح معنوں میں زبان کہلا ئے گی۔ لہذا ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کہ خواندہ لوگوں کی تعداد اتنی کم ہے ادبی زبانیں محض بولیاں کہلائی جائیں گی۔ کیونکہ انھیں چند اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ چند وجوہات سے معیاری ہندوی زبان ہندوستان کی سب سے اہم زبان ہے۔ اگرچہ یہ زبان ہندوستان کے چند صوبوں میں ہی بولی جاتی ہے۔ لیکن اول تو یہ ان صوبوں کی بھی ادبی زبان ہو گئی ہے جن کی مادری زبانیں مختلف ہیں۔ مثلاً پنجاب کا بہت بڑا حصہ۔ سرحدی صوبہ۔ راجپوتانہ پندرہ کروڑ سے زیادہ انسان ہندوستان میں ہندوی کو بطور ادبی زبان استعمال کرتے ہیں دوئم بیس کروڑ سے زیادہ انسان ہندوستان میں ایسے بھی ہیں جن کی مادری زبان اگرچہ ہندوی نہیں لیکن جو ہندوی نہ پڑھنے کے باوجود بھی اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور ٹوٹی پھوٹی شکل میں اسے بول بھی سکتے ہیں۔ لہذا ہندوستان کے تقریباً چالیس کروڑ باشندوں میں سے تقریباً پچیس کروڑ انسان ہندوی کو بول یا سمجھ سکتے ہیں۔

ادبی ہندی اور ادبی اردو کی صرفی ونحوی تشکیل بالکل یکساں ہے۔ فرق صرف رسم الخط اور خزانۂ الفاظ میں ہے۔ ادبی ہندی میں کثیر التعداد الفاظ سنسکرت کے مستعمل ہوتے ہیں۔ جن کی موجودہ تشکیل اہل لسانیات کے لیے نہایت محیر العقول ہے۔

مثلاً ڈیڑھ ہزار برس ہوئے پراکرت زبان میں بھی سنسکرت لفظ (ستری) 'عورت' کا (اِتھی) بن گیا تھا۔ اب اس دراز عرصے کے بعد ہندی میں پھر (ستری) جیسے ہزار ہا سنسکرت الفاظ کا بلاتبدیل شامل ہو جانا اہل لسانیات کی آیندہ نسلوں کو تو سخت چکرا دے گا کہ ڈیڑھ ہزار سال کے بعد یہ کیا اعجوبہ واقع ہوا؟ ایسے ہی اُردو زبان میں متعدد فارسی اور عربی الفاظ کا اپنی پرانی تشکیل میں ہی شامل ہو جانا اہل لسانیات کے لیے باعث پریشانی ہے۔ لہٰذا اہل لسانیات کے نقطۂ نگاہ سے ادبی ہندی اور ادبی اُردو کی موجودہ تشکیل معیاری ہندوی کی قدرتی تشکیل سے بہت دور، گھڑنت اور بناوٹی معلوم ہوتی ہے۔ یہ دونوں بولیاں ہیں۔ انھیں زبانیں نہیں کہہ سکتے۔ بقول برطانوی انسائیکلوپیڈیا (مقالہ "ہندوستانی زبان") عہد حاضر کی ہندی نثر سنسکرت الفاظ کی کثرت سے اتنی بدنما ہو گئی ہے کہ فارسی سے بھری ہوئی اردو کا نصف ثانی ہو گئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہ دونوں بولیاں سوائے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کی ہندی، اور اردو میں کہیں کہیں ہندوی کے صرف کھنڈر نظر آتے ہیں اور وہ کھنڈر زیادہ تر حروف جار یا مصدر "ہونا" کی مختلف تشکیلیں ہیں۔ لیکن کیا حقیقت میں ہندی اور اُردو محض ادبی بولیاں ہیں۔ کیا ان میں معیاری ہندوی کا حصہ بالکل معدوم ہے؟ مندرجۂ ذیل مثال سے ظاہر ہو جائے گا کہ ادبی ہندی اور اردو کو اگر ہم معیاری ہندوی سے بالکل الگ سمجھیں تو یہ بھی سراسر غلطی ہو گی ان میں بیچ در بیچ معیاری اجزا کی بھی شمولیت ہے۔ مثلاً مندرجۂ ذیل فقرے کو لیجئے۔

معیاری ہندوی (یعنی وہ ہندوی جس کو تقریباً سب سمجھ سکیں) | اس کی جورو چل بسی ہے۔

ہندی.................................اس کی دھرم پتنی کا دیہانت ہو گیا ہے۔

اُردو.................................اس کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

جس حد تک ہندی یا اُردو میں "اس کی جورو چل بسی ہے"، جیسے فقروں کی شمولیت ہے اس حد تک ہندی اور اردو میں معیاری ہندوی کے جز کا وجود صاف ظاہر ہے۔ اور کبھی کبھی ایسے فقرے بھی ضرور ادبی اُردو و ہندی دونوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے ادبی ہندی و اردو دونوں معیاری ہندوی کے بہت قریب ہیں۔ اس پیچیدہ مسئلے کے بارے میں واندری صاحب فرماتے ہیں کہ خاص کر ہندوستان کی زبانوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بولیوں اور معیاری زبانوں کے باہمی تعلقات کو جتلانا، بولیوں کے حدود کو قائم کرنا اور ان کے باہمی اثرات کو دریافت کرنا کتنا مشکل ہے۔[1]"

جیسا کہ اُوپر کی مثال "اس کی جورو چل بسی ہے" سے ظاہر ہوگا معیاری زبان کا ایک حصہ ادبی بولیوں میں بھی شامل ہے۔ ادبی اردو اور ہندی کے اس معیاری جز (جسے سب لوگ سمجھ سکیں) کو "کھڑی بولی" کہتے ہیں۔ اگر یہ کھڑی بولی کسی پر اسرار طاقت کے ذریعے سے انسان کے تمام خیالات کا اظہار کر سکے تو ہندوستانی زبان کے سارے مسئلے فوراً حل ہو سکتے ہیں۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ کھڑی بولی موجودہ صورت میں نہ تو خیالات کی لطافت اور باریکی کو، اور نہ علمی اصطلاحات کی پیچیدگی کو ادا کرنے کے قابل ہے۔ ممکن ہے کہ کبھی

[1] واندری۔ زبان۔ صفحہ ۲۷۹۔

کھڑی بولی کا دائرہ ایسا وسیع ہو جائے کہ وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کا اظہار کر سکے۔ تب ہندوستان کے سب عقدے حل ہو جائیں گے۔ اس کے متعلق امید کی کرن وہ "ضرورت" ہے جس کو متعدد لوگ اس ملک میں محسوس کر رہے ہیں۔ ضرورت لسانیاتی ارتقا کے لیے ایک نہایت زبردست طاقت ہے۔
چٹرجی نے اپنی کتاب ہند آریائی و ہندی (صفحہ ۱۹۴) میں چند دلچسپ الفاظ کی مثالیں دی ہیں جن کا تعلق تو وسائل تہذیب سے ہے، لیکن جن کا ماخذ ناخواندہ لوگوں کی بولی ہے مثلاً

کھڑی بولی	انگریزی یا ادبی اردو
آگ بوٹ	سٹیمر
ٹھنڈا تار	مثبت تار
گرم تار	منفی تار
ہوا گاڑی	موٹر کار
جادو گھر	عجائب گھر
بجلی بتی	بجلی کی روشنی
ہاتھ گھڑی	ریسٹ واچ
گرمی ناپ	تھرمامیٹر

اس قسم کی مثالیں کھڑی بولی کے آیندہ ارتقا کے لیے بہت امید افزا ہیں۔
اردو اور ہندی کے لیے یہ زندگی اور موت کا سوال ہے کہ کہاں تک اس قسم کے الفاظ ادبی زبان میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ جتنے زیادہ اس قسم کے الفاظ ادبی زبان

میں شامل کیے جائیں گے ادبی زبان کے اتنا ہی دیرپا ہونے کا امکان ہے۔ لیکن اگر ادبی زبانوں نے ایسے الفاظ کو بازاری الفاظ سمجھ کر بے پروائی کی تو ان ادبی زبانوں کی موت نزدیک ہے۔ یہ ہے لسانیات کا اس معمے کے متعلق فیصلہ۔

ہندوی کا وہ حصہ جس کا صرف ونحو معیاری ہندوی کے مطابق نہیں لیکن جس کو تقریباً بیس کروڑ ہندوستانی لوگ بول سکتے ہیں اور اپنا مطلب ادا کر سکتے ہیں "بازاری ہندوستانی" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ نام پہلے پہل ڈاکٹر چیٹرجی نے مستعمل کیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۵)۔ ان کی تجویز ہے کہ اس بازاری ہندوستانی کی بنا پر ایک "بنیادی ہندوستانی" کا معیار قائم کیا جائے جس کا استعمال بھی اختیاری قرار دیا جائے۔ انھوں نے اپنی کتاب "ہند آریائی و ہندی" میں (صفحہ ۲۴۱ - ۲۴۸) ایک دو کہانیاں ادبی اردو۔ ادبی ہندی۔ اور بازاری ہندوستانی" میں لکھی ہیں۔ جن کے مقابلے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کونسی شکلیں وہ لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں جن کو ادبی اردو یا ہندی کی باقاعدہ تعلیم کا موقع نہیں ملا۔ لیکن بقول چیٹرجی (صفحہ ۲۰۰) بازاری ہندوستانی میں یہ نقص ہے کہ یہ بولی محض معمولی ضروریات کو پورا کرنے کا کام دے سکتی ہے چونکہ اس کا خزانۂ الفاظ نہایت محدود ہے اس لیے اس کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مندکرۂ بالا کھڑی بولی کے الفاظ کی طرح عام فہم الفاظ کی "بازاری ہندوستانی" میں زیادہ شمولیت ہو سکے تو یہ نقص بھی بتدریج رفع ہو سکتا ہے۔

لسانیاتی نقطۂ نگاہ مکمل جمہوریت اور عالم گیر رشتے کا نقطۂ نظر ہے۔ اہل لسانیات کی رائے میں کوئی زبان معیاری زبان نہیں کہلا سکتی جب تک اس کا گہرا اور قریبی

تعلق بولیوں کے ساتھ نہ ہو۔ لہٰذا ادبی بولیوں کا عام لوگوں کی بولیوں کی طرف تکبر اور تعصب کا رجحان حماقت کی انتہا اور خودکشی کا آغاز ہے۔ اگر ادبی بولیاں اپنی ہی شکلوں پر اڑی رہیں گی، اور دیگر بولیوں کو "بازاری" سمجھ کر نفرت اور لاپروائی کی نگاہ سے دیکھیں گی، تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو سنسکرت اور پراکرت کا ہوا۔ کیونکہ بقول واندری زندہ زبان اس دریا کی طرح ہے جو عالموں اور پنڈتوں کی پابندیوں کی چٹانوں کو چیرتا ہوا ارتقا کے بہاؤ سے آگے بڑھتا جائے گا۔

معلوم نہیں یہ کتاب کہاں تک کامیاب ہوگی۔ کیونکہ اس کتاب کی کامیابی کی کسوٹی یہ ہوگی کہ اس کے ناظرین میں سے کتنے فی صدی میں لسانیات کا نقطۂ نگاہ حقیقی معنوں میں پیدا ہوگیا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر چند نوجوان طلبہ ایک نئے شوق سے "لسانیاتی بہشت" میں سیر کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے اور اپنی آیندہ زندگی کا کچھ حصہ ملک کی زبانوں اور بولیوں کی تحقیقات میں صرف کریں گے۔

سدھیشور ورما
پرنس آف ویلز کالج
جموں

۵ر جون ۱۹۴۲ء

ماخذ و ارتقا

آریائی زبانیں ہندوستان۔ افغانستان۔ ایران۔ ترکی۔ روس اور چین کے علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔ جیسا کہ نقشے سے ظاہر ہوگا۔

آریائی زبانیں ہندیوروپی خاندان کی زبانوں میں شامل ہیں۔ کسی زمانے میں آریائی زبان ایک تھی۔ یہ ان لوگوں کی زبان تھی جو اپنے آپ کو "آریہ" کہتے تھے۔ چنانچہ رگوید ۸ منڈل ۔ ۲۴ سوکت ۔ ۷ منتر میں " سات دریاؤں" کے ملک کے باشندوں کو "آریہ" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور قدیم ایران کے مشہور بادشاہ دارا (چھٹی صدی قبل مسیح) نے اپنے ایک کتبے میں جو نقش رستم کا کتبہ کہلاتا ہے اپنے آپ کو "ایرانی کا بیٹا ۔ آریہ ۔ آریہ کی اولاد" کے اوصاف سے موصوف کیا ہے۔ اس کتبہ میں آریہ کا تلفظ (اَرِیَ) ہے[1]۔

گریرسن کی رائے ہے کہ اڑھائی ہزار سال قبل مسیح آریہ لوگ ایران کے شمال مغربی علاقہ میدیا میں آکر آباد ہوئے۔ کئی صدیوں کے بعد کچھ تو وہاں سے نکل کر ہند میں چلے آئے اور ان کی زبان قدیم آریائی زبان سے الگ ہو کر ہند آریائی بن گئی اور جو ایران میں ہی رہ گئے ان کی زبان بدلتے بدلتے ایرانی بن گئی۔

---

[1] جولز بلاک ۔ ہند آریائی صفحہ (۱) ڈاکٹر سکمار سین ۔ قدیم فارسی کے کتبے ۔ صفحہ ۹۸-۹۹ ۔

بعض ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ مفقود شدہ آریائی زبان کی ایک چھوٹی سی دستاویز بھی دستیاب ہو گئی ہے۔ یہ ایک عہد نامہ تھا جس میں ہتیوں کے بادشاہ نے میتنی کے دیوتا (متر) (اندر) اور (ورن) کا ذکر کیا تھا یہ زبان نہ تو ہند آریائی ہے اور نہ ایرانی۔ بلکہ ان دونوں کا ماخذ آریائی زبان تھی۔ یہ دستاویز قبل مسیح پندرھویں صدی میں لکھی گئی تھی۔[1]

[1] گریرسن۔ مقدمہ لسانیاتی تبصرۂ ہند صفحہ ۹۷، ۹۸، ۹۹۔

قدیم آریائی زبان کی تشکیل کیا تھی؟

ہند آریائی اور ایرانی زبانوں کے آپس میں اتنی نمایاں مشابہت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں کسی زمانے میں ایک ہی مشترکہ زبان کی بولیاں تھیں۔ اس زبان کی اصلی صورت اہل لسانیات کو براہ راست معلوم نہیں اس معاملے میں ان کا علم محض استخراجی ہے جو ان دونوں زبانوں کی مشابہت پر مبنی ہے۔ آریائی زبان کی اس استخراجی تشکیل کی خصوصیتیں مندرجۂ ذیل تھیں۔

(۱) قدیم ہندیوروپی زبان میں (اَ آ اُے آے اِو او) مختلف حروف علت تھے لیکن ان سب حروف علت کا آریائی زبان میں محض (اَ آ) بن گیا تھا۔ ان حروف علت کا اختلاف یوروپ کی اکثر ہندیوروپی زبانوں میں نمایاں ہے مثلاً

حرف علت	ہندیوروپی	یونانی	قدیم ہند آریائی	اوستا	ہندوستانی
اُے	سپٹم	ہپٹ	سپت	ہپت	سات
او	اوکتوءْ	اوکتو	اَشٹ	اَشت	آٹھ[۱]

(۲) آریائی زبان میں ہندیوروپی بے رنگ (اَ) (جس کا تلفظ نہایت کمزور اور غیر واضح ہوا کرتا تھا۔ اور جسے ہم (ˆا) کی [illegible] سے ظاہر کر سکتے ہیں)

[۱] رائی گشٹ - اوستا کی پرائمر - صفحہ ۶

کی (اِ) ہوگئی تھی۔ مثلاً

ہندیوروپی	یونانی	قدیم ہند آریائی	قدیم ایرانی	ہندوستانی
*(پِتیر)	(پَتیر)	(پِتا)	(پِتا) (قدیم فارسی) (پِتَر) (اوستا)	باپ[1]

(۳) اِس میں حروفِ علت (اِ اُ) کے بعد (س) کی (ش) ہوگئی تھی۔ مثلاً

لاطینی	قدیم ہند آریائی	اوستا
(پِنسو) میں کھلتا ہوں	(پِنشٹی) "وہ کھلتا ہے"۔	(پِنشتو) "کھلتا ہوا"

(۴) (اَ) کے بعد لفظ کی ہندیوروپی آخری (س) کی (ح) ہوگئی تھی۔ (اِس (ح) کو سنسکرت میں (وِسرگ) "اِخراج" کہتے تھے)۔ جو قدیم ہند آریائی میں تو برقرار رہی لیکن ایرانی میں حذف ہوگئی۔ اور لفظ کا آخری ایرانی (اَ) (او) میں تبدیل ہوگیا۔ مثلاً

ہندیوروپی	یونانی	قدیم ہند آریائی	اوستا
*(مینس) "دِل میں"	(مینوس "جوش")	(مَنح) "من۔ دِل"	مَنو "من۔ دِل"

(۵) لفظ کے آخر میں (ن) کے بعد (ت) کا حذف ہوگیا تھا۔ مثلاً

ہندیوروپی	قدیم ہند آریائی	اوستا	ہندوستانی
(بھرگینت)	(ب۔ رہمن)	(بَرزو)	بڑا

(۶) ہندیوروپی (دھ + ت) کا (ز + د) بن گیا تھا جو قدیم ایرانی میں تو برقرار رہا لیکن قدیم ہند آریائی میں اپنے پہلے جزء (ز) کو بالکل

[1] بروگ مَن۔ ہندیوروپی زبانوں کی تقابلی صرف و نحو۔ صفحہ ۱۷۲۔

لکھ بیٹھا۔ مثلاً

اوستا	قدیم ہند آریائی	ہند یوروپی
(مزدا) "یادداشت"	(میدھا) "ذہن"	(م۔ن۔دھ۔نا) "توجہ"

(۷) ہند یوروپی میں حالت اضافی جمع کی علامت (اوم) تھی۔ آریائی زبان میں ان الفاظ کے بعد جن کے آخر میں حروف علت تھے لاحقے (اوم) کا (نام) بن گیا۔ مثلاً

ہندوستانی	اوستا	قدیم ہند آریائی
"پہاڑوں کا"	(گَ اِ رِنَم)	(گری نرام)

(۸) ہند یوروپی زبان میں فعل مجہول کی علامت کوئی نہ تھی۔ لیکن آریائی زبان میں مجہول کی تشکیل بذریعہ اندراج (یَ) بن گئی تھی، جو کہ دونوں زبانوں میں برقرار رہی۔ مثلاً

ہندوستانی	اوستا	ہند آریائی
"کیا جاتا ہے"	(کرِ یے اِتے)	(ک۔رِیَ تے)

(۹) اس زبان میں "ساٹھ" "ستر" "اسی" اور "نوے" کو ظاہر کرنے کے لیے عددی الفاظ کی تشکیل میں لاحقے (تَ ی) کا استعمال ہوتا تھا جو کہ سنسکرت میں تو برقرار رہا لیکن ایرانی میں (تی) میں تبدیل ہو گیا۔ مثلاً

ہندوستانی	اوستا	ہند آریائی
"ساٹھ"	(خ شس۔ تِیم)	(ششٹ تی)
"ستر"	(ہپتا ایتیم)	(سپت تتی)

ہند آریائی	اوستا	ہندوستانی
(اشی تَ سِحَ)	(اشِن تا اِتیم)	"اَسّی"
(نوَتَ سِحَ)	(نوَ اِتیم)	"نوّے"

(۱۰) نحوی ترکیب میں حالتِ اخراجی کا علیت کے معنی میں۔ حالت ظرفی کا حالت اضافی کے معنی میں۔ حالت مقامی اور اضافی کا حالت مطلق کے معنی میں استعمال اس زبان میں ہوتا تھا کیونکہ یہ استعمال ہند آریائی اور اوستا دونوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً

	ہند آریائی	اوستا
(حالت ظرفی اضافی کے معنی میں)	(تَس یائی گ رہم) "اس عورت کا گھر"	(اَہُورائی یسنیا) "خدا کی حمد و ثنا کے گیت"[1]

---

[1] رائشلٹ۔ صفحہ ۶۰ ۱۹۳، ۲۱۵ و ۲۴۴
جیکسن۔ اوستا کی صرف و نحو۔ صفحہ ۱۸۷

ہند آریائی اور ایرانی کی باہمی مشابہت

قدیم ہند آریائی اور ایرانی میں اتنی نمایاں مشابہت ہے کہ ان دونوں کا آپس میں محض بولیوں کا تعلق ہے۔ ایرانی کی مذہبی زبان اوستا کا کوئی مصرعہ بھی حرف بحرف مشابہہ سنسکرت الفاظ میں آسانی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ صرف چند حروف میں اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً اوستا کا مندرجۂ ذیل مصرعہ۔

یووآپو ون ہیش یزئی تے اہ رائیش اُہ رہے وہشتابیو زوتھرابیو
سراَیشتابیو زوتھرابیو اہمئی زاےشاچہ اہمئی تنوو د۔ر۔وَ ناتم وستَ

قدیم ہند آریائی میں مندرجۂ ذیل شکل میں ہو گا۔

یووآپو وسوِیشس یجاتے اَسراَیشش اسُریہ وشِشٹابھیو
ہوترابھیو شریشٹابھیو ہوترابھیو اسمئی رَیِش چَ اسمئی تنوو
دُھروناتم دتھہَ

"اس شخص کو دولت۔ اس شخص کو مستقل جسمانی طاقت دیجئے جو نیک بخت بانیوں کی تعظیم کرتا ہے۔" اس مصرعہ میں زیادہ تر یہی فرق ہے کہ اوستا (ہ) کے بالمقابل ہند آریائی میں (س) ہے۔ اور اوستا کے غیر دم کشیدہ حروف صحیح کے بالمقابل قدیم ہند آریائی میں دم کشیدہ حروف صحیح ہیں قدیم ہند آریائی اور قدیم ایرانی کی باہمی مشابہت کے نمایاں نقطے مندرجۂ ذیل ہیں۔

[1] ایرانی لسانیات کا خاکہ صفحہ (۱)۔

(۱) قدیم ہند آریائی اور قدیم ایرانی کے مفرد حروف علت تقریباً ایک ہی ہیں یعنی
(آ آ اِ ای اُ اُو)

(۲) قدیم ہند آریائی اور قدیم ایرانی میں حروف علت کا "گن" ہو جاتا ہے دونوں میں
(اِ) (ای) کا گن (اے)
(اُ) (اُو) کا گن (او) ہے۔

(۳) دونوں کی حروف علت کی سندھی میں بھی بہت مطابقت ہے۔ مثلاً دونوں میں
(اَ+اَ) کا (آ)۔ (اِ + اِ) کی (ای)۔ (اُ + اُ) کا (اُو) ہو جاتے ہیں۔

(۴) دونوں غیر مصیت حروف صحیح (ت پ چ) مشابہہ الفاظ میں مستعمل ہوتے ہیں۔ مثلاً

ہندوستانی	اوستا	قدیم ہند آریائی
"گرم کرتا ہے"	(تاپَ یے اِ تے)	(تاپَ یتِ)
"چلتا ہے"	(چرَ اِتِ)	(چرَتِ)

(۵) دونوں میں ہند یوروپی (اے) (ای) (اِ) سے پہلے حلقی حروف صحیح حنکی بن گئے تھے مثلاً

آرمینیائی	اوستا	قدیم ہند آریائی
(بینج) حصہ	(بزہ) "حصہ"	(بھج) "حصہ کرنا"
"لی وَن" اُوَ اِز "طاقت"	(اَوجنِ ہ)	(اوجس) "طاقت"

لہ جیکسن۔ صفحہ ۱۹
ٹہ " " صفحہ ۱۴ و ۱۵۔

(۶) دونوں کی گردان میں کثیر التعداد تشکیلیں پائی جاتی ہیں۔ دونوں میں تین تذکیر و تانیث ہیں یعنی مذکر۔ مونث و بے جنس۔ تین صیغے ہیں۔ یعنی واحد، تثنیہ اور جمع۔ دونوں کی ضمیر میں بھی بڑی مشابہت ہے۔

(۷) فعل کی گردان دونوں زبانوں میں عموماً ایک جیسی ہی ہے۔ دونوں کے مصدر ایک رکنی ہیں اور ان کی تبدیلیوں میں بھی مشابہت ہے۔ فعل کے لاحقے ایک جیسے ہی ہیں۔ ہاں تلفظ میں کہیں کہیں فرق ہے۔ مثلاً ان زبانوں میں فعل حال واحد کے لاحقے قدیم ہند آریائی اور اوستا میں مندرجہ ذیل ہیں۔

	قدیم ہند آریائی	اوستا
متکلم	مِ	مِ
مخاطب	سِ	ہِ
غائب	تِ	تِ[1]

(۸) دونوں کی اسمی گردان میں آٹھ لاحقے ہیں اور ان کے لاحقے بھی تقریباً وہی ہیں جیسے۔

لاحقہ	قدیم آریائی	اوستا
واحد حالت فاعلی	(س)	(س)
" " مفعولی	(ام)	(ام)
" " ذریعہ	(آ)	(آ)

[1] جیکسن۔ مقدمہ صفحہ ۳۲۔۳۳

لاحقہ	قدیم آریائی	اوستا	
واحد حالت ظرفی	(اے)	(اے)	
" " اخراجی	(اس)	(ات)	سنسکرت میں (ات) صرف تب لگتا تھا جب اصلی لفظ کے آخر میں (آ) ہو
" " اضافی	(اس)	(او)	یہ (او) اوستا میں سندھی کا نتیجہ تھا
" " مقامی	(اِ)	(اِ)	
تثنیہ " فاعلی مفعولی ندائیہ	(آ)	(آ)	
" " ظرفی و اخراجی	(بھیام)	(بیا)	
" " اضافی	(اوس)	(اہ)	
" " مقامی	(اوس)	(او)	
جمع " فاعلی مفعولی ندائیہ	(اس)	(او)	یہ (او) اوستا میں سندھی کا نتیجہ تھا۔
" " ذریعہ	(بھِس)	(بِیش)	
" " ظرفی	(بھیس)	(بیو)	
" " اضافی	(آم)	(ام)	
" " مقامی	(سُ)	(سُ) ؎۱	

؎۱ جیکسن ۔ مقدمہ ۔ صفحہ ۳۲

(۹) دونوں میں [ای] [اُو] کے بعد (س) کی [ش] ہو جاتی ہے مثلاً

قدیم ہند آریائی	اوستا	ہندوستانی
(وسِشٹھَ)	(وِہِشتَ)	"سب سے اعلےٰ"
(مُشٹِ)	(مُشتِ)	"مُٹھی"

(۱۰) دونوں کے عددی الفاظ میں زیادہ تر محض تلفظ کا ہی فرق ہے مثلاً

قدیم ہند آریائی	اوستا	ہندوستانی
(ایکَ)	(آاےوَ)	"ایک"
(د۔وَ)	(د۔وَ)	"دو"
(ت۔رِ)	(تھ۔رِ)	"تین"
(چت۔ور)	(چتھ۔ور)	"چار"
(پنچَ)	(پنچَ)	"پانچ"
(شَشْ)	(خ۔شْ۔وَش)	"چھ"
(سپتَ)	(ہپتَ)	"سات"
(اشٹَ)	(اشتَ)	"آٹھ"
(نوَ)	(نوَ)	"نو"
(دَشَ)	(دَسَ)	"دس"
(شَتَ)	(سَتَ)	"سو"

قدیم ہند آریائی اور قدیم ایرانی میں اختلافات

چونکہ ان زبانوں کی حقیقی تشکیل کا اندازہ تب ہی لگایا جاسکتا ہے جب ان کے اختلافات بھی جتلائے جائیں لہذا مندرجۂ ذیل اختلافات قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) ہند یوروپی کے لمبے دُہرے حروفِ علت قدیم ایرانی میں برقرار رہے لیکن ہند آریائی میں وہ چھوٹے ہو گئے تھے۔ مثلاً

قدیم ہند آریائی	ایرانی	ہندوستانی
(گئوُ)	(گاوُ)	"گائے"
(نئوُ)	(ناوَ)	"کشتی"

لہذا اس نقطۂ نگاہ سے ایرانی میں یہ مظہر قدیم ہند آریائی سے زیادہ پرانا ہے

(۲) قدیم ایرانی میں ہند یوروپی کے چھوٹے دہرے حروف علت دہرے ہی رہے۔ لیکن قدیم ہند آریائی میں وہ مفرد حروف علت بن گئے۔ مثلاً

اوستا	قدیم ہند آریائی	ہندوستانی
(آاے تت)	(اے تت)	"یہ"
(آاو جو)	(او جس)	"طاقت"

لہٰذا اس نقطۂ نگاہ سے بھی ایرانی میں یہ مظہر قدیم ہند آریائی سے زیادہ پرانا ہے۔[1]

(۳) قدیم ایرانی کی ایک نہایت قابل ذکر اور غیر معمولی خصوصیت " اندراج" حروف علت تھی۔ یعنی جب کسی لفظ کے آخر میں [اِ - اِی - اے - یِ - اُ] یا [وَ] ہوتی تھی تو گویا اس کی آمد کے انتظار میں پہلے ہی لفظ کے درمیان میں ایک زاید (اِ) یا (اُ) کا (آخری حرف کے مطابق) اندراج ہو جاتا تھا۔ مثلاً

اوستا	قدیم ہند آریائی
(بَوَئی تِ) "ہوتا ہے"	(بھَوَتِ) "ہوتا ہے"
(ااُرُنَ) "وحشیانہ"	[ارُنَ] "چمکیلا"

جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہوگا ہند آریائی میں یہ مظہر مطلق نہیں تھا۔

(۴) قدیم اوستا میں تمام ایک رکنی الفاظ کے آخر میں چھوٹے حروف علت لمبے کر دئے گئے تھے لیکن ہند آریائی میں یہ پابندی نہ تھی۔ مثلاً

اوستا	قدیم ہند آریائی	ہندوستانی
(زی)	(ہِ)	"کیونکہ"
(نی)	(نِ)	"نیچے"

(۵) قدیم ایرانی میں اگر کسی رکن کے (ا) یا (آ) کے مابعد رکن میں کوئی حنکی حرفِ علت یعنی (اِ) (اِی) یا (اے) آتے یا (یَ) آتی

[1] جیکسن صفحہ ۱۰۶ ار ۳۸ و ۱۷

تو وہ (ا) یا (آ) (اے) میں تبدیل ہو جاتے تھے مثلاً

قدیم ہند آریائی	اوستا
ایانِ "میں جاؤں"	ایے نی "میں جاؤں گا"
(یجنے) "پرستش میں"	(یے س نے) "پرستش"
(یسیہ) "جس کا"	(یے ہ یا) "جس کا"

قدیم ہند آریائی میں ایسا کوئی قاعدہ نہیں تھا۔

(۶) کسی لاحقے کے (م) سے پہلے اوستا میں تمام (اِ) اور (اُ) لمبے کر دیے گئے تھے مثلاً

ہندوستانی	قدیم ہند آریائی	اوستا
مالک کو	(پتِم)	(پیٹی تیم)
خوراک کو	(پیتُم)	(پتوم)

قدیم ہند آریائی میں ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔

(۷) قدیم ایرانی میں کسی آخری لاحقے کے (م) یا (ن) سے پہلے اگر (ا) ہوتا۔ تو اس کی (اِ) ہو جاتی تھی۔ بشرطیکہ اس (ا) سے پہلے کوئی حنکی حرف صحیح مثلاً (ی) (چ) یا (ج) ہو۔ مثلاً

ہندوستانی	قدیم ہند آریائی	اوستا
"جس کو"	(یم)	(ییم)
"آواز کو"	(واچم)	(واچیم)
"دھوکے کو"	(د۔رُہم)	(د۔رُجیم)

قدیم ہند آریائی میں ایسا کوئی قاعدہ نہ تھا۔

(۸) قدیم ایرانی میں سندھی صرف اندرونی ہے۔ بیرونی نہیں۔ یعنی اس میں سندھی صرف حرف اور حرف کے ساتھ ہوتی ہے۔ لفظ اور لفظ کے اکٹھے ہونے پر کوئی سندھی نہیں ہوتی۔ اوستا کے رسم الخط میں لفظ اور لفظ کے درمیان ایک نقطہ لگایا جاتا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ لفظ محض تحریری ہے۔ قدیم ہند آریائی کے رسم الخط میں سندھی اندرونی اور بیرونی دونوں قسم کی بتلائی جاتی تھی۔

(۹) کوزی حروف صحیح صرف قدیم ہند آریائی میں پائے گئے ہیں۔ قدیم ایرانی میں نہیں۔

(۱۰) قدیم ایرانی میں (ل) بالکل موجود نہیں۔ قدیم ہند آریائی میں (ر) اور (ل) دونوں آوازیں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ رگوید کے قدیم حصے میں (ل) سے (ر) کا استعمال بہت زیادہ ہے مثلاً

قدیم ہند آریائی	اوستا
کل پ تے "تیار کرتا ہے"	(خ ر پئی تی) ترتیب دیتا ہے۔

(۱۱) جنکی حروف کا سلسلہ قدیم ہند آریائی میں تو مکمل ہے لیکن قدیم ایرانی میں غیر مکمل ہے۔ کیونکہ اس میں صرف دو جنکی حروف پائے گئے ہیں یعنی (چھ) جھ) اور (ہن)۔

(۱۲) لفظ کی ابتدا اور درمیان میں قدیم ایرانی میں ہند یوروپی (س) (ہ) بن گئی تھی اور لفظ کے آخر میں اس کا حذف ہو گیا تھا۔ لیکن قدیم ہند آریائی میں صرف آخر میں (س) کی (ح) بنی تھی۔ ابتدا اور درمیان میں

(س) برقرار رہی۔ مثلاً

اوستا	قدیم ہند آریائی	ہندوستانی
(ہپت)	(سپت)	"سات"
(اہی)	(اسی)	"تو ہے"
(پتھرو)	(پُترح)	"بیٹا"

(۱۳) قدیم ہند آریائی میں ہند یوروپی دم کشیدہ مصمت بندشی حروف صحیح برقرار رہے۔ قدیم ایرانی میں وہ غیر دم کشیدہ مصمت بندشی حروف صحیح میں تبدیل ہوگئے یعنی (بھ) (دھ) (گھ) کی آوازیں ایرانی میں (ب گ د) ہوگئیں۔ مثلاً

قدیم ہند آریائی	اوستا	ہندوستانی
(ابھی)	(ائی بی)	"کو"
(ادھوانم)	(ادوانم)	"راستے کو"
(دیرگھم)	(دِرَ گم)	"لمبے کو"

(۱۴) متعدد حروف صحیح کے بعد قدیم ایرانی میں (و) کی (ب) یا (پ) ہوگئی تھی۔ سنسکرت میں (و) برقرار رہی۔ مثلاً

اوستا	قدیم ہند آریائی	ہندوستانی
(ت۔بَ اے شن ہا)	(د۔و ے شن سا)	"نفرت سے"
(اسپو)	(اشْ وَ)	"گھوڑا"
(ز۔بَ یے مِی)	(ہ۔ وَیامی)	"(میں) بلاتا ہوں"

(۱۵) قدیم ہند آریائی میں دم کشیدہ حرف صحیح کا استعمال ہوتا ہے۔ جس کے بالمقابل قدیم ایرانی میں رگڑ والو حرفِ صحیح مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً

ہندوستانی	اوستا	قدیم ہند آریائی
"(وہ) جاتا ہے"	(جَسَیٔ تِ) (س)	(گچھتِ) (چھ)
"(وہ) چاہتا ہے"	(اِسَیٔ تِ) (س)	(اِچھتِ) (چھ)
"گدھا"	(خَرَ) (خ)	(کھَرَ) (کھ)
"حصہ"	(ارثَ) (ث)	(ارتھَ) (تھ) "چیز"
"جھاگ"	(کَفَ) (ف)	(کپھَ) (پھ) بلغم

(۱۶) قدیم ہند آریائی میں حروف صحیح سے پہلے (پ ت ک) برقرار رہے اوستا میں وہ (ف ث خ) میں تبدیل ہو گئے۔

ہندوستانی	اوستا	قدیم ہند آریائی
"دانائی"	(خ۔رَتُش)	(ک۔رَتُ ح)
"بیج"	(تُوخم)	(تُوک مَ) "بچہ"
"حکومت"	(خشتھرم)	(کشترم)
"بولا گیا"	(فرَوختو)	(پروکتَ) "کہا گیا"
"خواب"	(ہ۔وَفنَ)	(س۔وَپنَ)

(۱۷) قدیم ہند آریائی میں ہند یورپی (ر + ت) برقرار رہی۔ اوستا میں اس کی (ش) بن گئی۔ مثلاً

ہندوستانی	اوستا	قدیم ہند آریائی
"فانی کا"	(مش یے ہے)	(مرتیسیہ)

(۱۸) قدیم ہند آریائی کے دندانی + دندانی کے بالمقابل قدیم ایرانی میں (س + ت) ہوگئی تھی۔ مثلاً

قدیم ہند آریائی	اوستا	ہندوستانی
(چِتّی)	(چِستِش)	"دانائی" [1]
(اَمَ وت تَرَ)	(اَمَ وَستَرَ)	"زیادہ طاقت ور"

مندرجۂ بالا سطور میں آریائی زبان کی بولیوں ہند آریائی اور ایرانی کے باہمی تعلقات کو جتلایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نہ صرف ہند آریائی اور ایرانی کی خاص نوعیتوں کو واضح طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ ان دونوں زبانوں کا ارتقا ایسے عظیم الشان اور وسیع پیمانے پر ہوا ہے جو شاید ہی دنیا کی کسی اور زبان میں ہوا ہو۔ اس لیے اب ان دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

---

[1] جیکسن۔ صفحہ ۷، ۱۱، ۵۰، ۴۴، ۵۳، ۴۷، ۳۹، ۲۸، ۹

ہند آریائی زبانیں

ہند آریائی کی خصوصیتیں

ہند آریائی میں ہند یوروپی مصیت دم کشیدہ بندشی حروف (گھ بھ دھ) اب تک برقرار ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے ہند یوروپی خاندان کی یہ ایک ہی زبان ہے جس میں یہ حروف اب تک محفوظ ہیں۔

قدیم ہند آریائی اور خاص کر ٹکسالی سنسکرت میں مرکب الفاظ کا ہجوم بہت بڑھ گیا تھا۔ ٹکسالی سنسکرت میں تو یہ الفاظ اتنے بے ہنگام ہو گئے تھے کہ ایک مرکب لفظ کبھی کبھی ایک صفحہ جگہ لیتا تھا۔

ایرانی کے مقابلے میں ہند آریائی کی مندرجۂ ذیل قابل ذکر خصوصیتیں ہیں۔

(۱) کوزی حروف صحیح کا مظہر (۲) آریائی (ز) کی (ج) میں تبدیلی۔ یہ (ز) ایرانی میں برقرار ہے۔ مثلاً

اوستا	عہد حاضر کی فارسی	ہند آریائی	ہندوستانی
(زاتَ)	(زاد)	(جاتَ)	"پیدا شدہ"

ہندآریائی کا ارتقا

ہند آریائی کے ارتقا میں تین بڑی بڑی منزلیں ہیں:۔

(۱) قدیم ہند آریائی (۲) وسطی ہند آریائی (۳) عہد حاضر کی ہند آریائی

(۱) قدیم ہند آریائی کے ارتقا میں پانچ منزلیں ہیں:۔

(ا) ویدک منزل ۔ ویدک زبان جو ویدوں میں ملتی ہے عام لوگوں کی بولی معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایک خاص (پروہت) جماعت کی بولی ہے۔ ویدوں میں وہ الفاظ بہت کم ملتے ہیں جن سے عام لوگوں کی زبان کی صوتی خصوصیتوں کا اندازہ لگایا جا سکے۔

(ب) زمانہ پانینی کی منزل ۔ اس منزل میں سنسکرت زبان ہندوستان کے عالموں کی مشترکہ زبان بن گئی تھی۔

(ج) رزمیہ منزل ۔ اس منزل میں جس میں خاص کر مہابھارت کی تصنیف ہوئی عام لوگوں کی پراکرت زبان سے کثیر التعداد الفاظ سنسکرت میں شامل کیے گئے۔

(د) دنیاوی منزل ۔ اس منزل میں سنسکرت زبان ہندوستان کی سرکاری زبان بن گئی۔ اور اس کا پروہت جماعت سے مخصوص تعلق ٹوٹ گیا۔ سنسکرت صرف ونحو سادہ ہوگئی۔ لیکن اس کا خزانۂ الفاظ عام لوگوں کی بولیوں سے ممنونیت کی وجہ سے بہت بڑھ گیا۔

(۳) ٹکسالی منزل ۔ اس منزل میں سنسکرت کا عام لوگوں سے تعلق پھر ٹوٹ گیا۔ اور سنسکرت ایک نہایت بناوٹی زبان بن گئی۔

(۲) وسطی ہند آریائی کی مندرجہ ذیل منزلیں تھیں۔

(ا) ابتدائی وسطی ہند آریائی ۔ اس منزل میں اشوک کے کتبے لکھے گئے تھے یہ کتبے کئی بولیوں میں تھے۔ لیکن ان میں سب سے اہم بولی مگدھی کہلاتی تھی جس میں سنسکرت (ر) کی جگہ (ل) اور سنسکرت فاعلی لاحقے (اح) کی جگہ (اے) بولی جاتی تھی۔

(ب) پالی ۔ یہ اس زبان کا نام ہے جس میں بدھ مذہب کی مقدس کتابیں لکھی گئی تھیں۔ پالی کے لفظی معنی "کتاب کی اصلی عبارت" ہے۔ مابعد یہ لفظ "کتاب کی اصلی عبارت کی زبان" کے لیے مستعمل ہونے لگا۔ یہ زبان براہ راست ٹکسالی سنسکرت سے مشتق نہیں کیونکہ اس میں متعدد ایسی تشکیلیں بھی ملتی ہیں جو ویدک ہند آریائی میں ہی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حالت ذریعہ کا لاحقہ (ہِ) ویدک (ابھِس) لیکن ٹکسالی سنسکرت (ائی س)۔

(ج) اردھ مگدھی ۔ جین مذہب کی مقدس کتابوں کی زبان تھی اس میں سنسکرت (ر) کی (ل) اور سنسکرت فاعلی لاحقے (اح) کی (اے) ہو گئی تھی۔ ہاں مگدھی پراکرت کی طرح اس میں (س) کی (ش) نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اسے "نصف مگدھی" کہتے ہیں۔ کیونکہ مگدھی پراکرت میں یہ تینوں تبدیلیاں ہو گئی تھیں۔

(د) پراکرت زبانیں عام لوگوں کی زبانیں تھیں۔ ان کی تین اہم قسمیں تھیں۔ اول شورسینی جو دوآبہ گنگ و جمن و پنجاب کے علاقوں میں

بولی جاتی تھی۔ دوئم مگدھی جو مشرقی ہند کی بولی تھی اور جس کی خصوصیتیں اوپر بیان کی گئی ہیں۔ سوئم مہاراشٹری جو جنوبی ہند اور خاص کر سنسکرت ناٹکوں میں مستعمل ہوتی تھی۔

شوُرسینی میں سنسکرت (ش) کی بجائے (س) ہوگئی تھی مثلاً سنسکرت (دیشَ) "ملک" شوُرسینی (دیسَ) لیکن مگدھی پراکرت میں اُلٹی (س) کی بھی (ش) ہوگئی تھی مثلاً سنسکرت (سُندرَ) "خوبصورت" مگدھی (شُندرَ) "خوبصورت"

مہاراشٹری میں لفظوں کے اندرونی حروف صحیح تقریباً سب مفقود ہوگئے تھے مثلاً صرف ایک مہاراشٹری لفظ (مَ اَ) سنسکرت (مَتَ) "سوچا ہوا" (مَدَ) "نشہ" (مَیَ) "بھرا ہوا" (مرتَ) "مردہ" (مرگَ) "ہرن" کی جگہ مستعمل ہوتا تھا۔

(س) اپ بھرنش (لفظی معنی "افتاد") پراکرت کا مابعد ارتقا ہیں۔ ان بولیوں کا آغاز چھٹی صدی عیسوی سے ہوا اور یہی زبانیں عہد حاضر کی ہند آریائی زبانوں کا پیش خیمہ ہیں۔ ان بولیوں میں دیسی بولیوں کے بیشمار الفاظ شامل ہوگئے اور صرف و نحو بہت سادہ ہوگئی۔ ان کی عام خصوصیت یہ تھی کہ ان میں سنسکرت واحد فاعلی و مفعولی حالت کے لاحقے (اح) اور (م) کی بجائے (اُ) ہوگئی تھی۔ مثلاً

ہندوستانی	اپ بھرنش	سنسکرت
"میوہ۔ پھل"	(پھلُ)	(پھلَم)
"وید"	(ویدُ)	(ویدَح)
"شاستر"	(ستھُ)	(شاستَرم)

(۳) عہد حاضر کی ہند آریائی کا آغاز ساتویں اور آٹھویں صدی سے ہوتا ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں بنگالی گیت چریا کی تصنیف ہوئی تھی اور اسی زمانے کی پراتی ہندوی کی تصنیفات بھی نیپال میں راہل سانکرا ئتیائن کی تحقیقات سے برآمد ہوئی ہیں۔ مراٹھی اور گجراتی کی کاوشیں بہت بعد کی ہیں مراٹھی گیانیشوری کی تصنیف ۱۲۹۰ء میں ہوئی اور گجراتی زبان میں ایک سنسکرت صرف و نحو ۱۳۹۴ء میں لکھی گئی۔

عہد حاضر کی ہند آریائی کی نہایت نمایاں خصوصیت اس کا تسلسل ہے۔ ہنگری اور رومانی زبانوں کی طرح ہند آریائی میں کبھی عدم تسلسل نہیں ہوا عموماً وہی حروف علت اور وہی حروف صحیح جو قدیم ہند آریائی کے زمانے میں بولے جاتے تھے اب بھی بولے جاتے ہیں۔ اس تسلسل کی وجہ سے عہد حاضر کی ہند آریائی زبانوں کی حد بندی نہایت مشکل ہو گئی ہے۔ مثلاً یہ واضح طور پر پتہ لگانا مشکل ہے کہ پنجابی زبان کہاں ختم ہوتی ہے اور لہندی کہاں شروع ہوتی ہے۔

عہد حاضر کی ہند آریائی زبانوں کی گروہ بندی بعد کی سرخی کے تحت واضح ہوگی۔

عہد حاضر کی ہند آریائی زبانوں کی گروہ بندی

(۱) جنوب و مغرب اور دوآبہ گنگ و جمن کی زبانیں۔ ان میں ہندوی راجستھانی گجراتی اور مراٹھی شامل ہیں۔ ان زبانوں کی عام خصوصیت یہ ہے کہ ان میں قدیم ہند آریائی کے مرکب حروف صحیح مفرد ہو گئے ہیں۔ اور ان حروف صحیح سے پہلے جو حروف علت تھے۔ ان کی جگہ لمبائی ہو گئی ہے۔ مثلاً سنکرت (دنتَ) ہندوی (دانت) گجراتی و مراٹھی (دانت)۔

(الف) ہندوی کی دو بڑی بڑی شاخیں ہیں۔ ایک مشرقی دوسری مغربی۔ مغربی ہندوی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فاعلی حروف جار (نے) بطور جزو لاحق فاعل کے بعد لگایا جاتا ہے۔ مشرقی ہندوی میں اس کی عدم موجودگی ہے۔

(ب) راجستھانی زبان گجراتی سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی غیر فاعلی جمع کا لاحقہ (آں) ہے۔ لیکن گجراتی میں (آ) ہے اور راجستھانی میں حالت ایجنٹ (عامل) کے معنی میں حرف جار (نے) کی بجائے خاص لاحقہ (ائی) لگایا جاتا ہے۔

(ج) گجراتی زبان کی نہایت نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قدیم ہند آریائی (و) اب تک برقرار ہے دیگر کثیر التعداد ہند آریائی زبانوں میں اس کی (ب) بن گئی ہے

مثلاً ہندوی (بنیا) لیکن گجراتی (وانِڑیو) "دوکاندار بنیا"۔ لہذا گجراتی زبان کا مطالعہ قدیم ہند آریائی (و) کی تحقیقات کے لئے لازمی ہے۔ اس زبان کے ذریعہ ہمیں پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ سنسکرت کے کن الفاظ میں (و) اور کن میں (ب) بولی جاتی تھی۔

(د) مراٹھی زبان کی نہایت قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لفظ کا ماقبل آخر رکن اگر لمبا ہو تو چھوٹا ہو جاتا ہے۔ مثلاً (کُرو) "لڑکا"۔ پروفیسر ٹرنر کی رائے میں یہ قدیم ہند یورپی لہجے کا جو لفظ کے پہلے رکن پر پڑتا تھا اثر ہے۔ جس سے ماقبل آخر رکن چھوٹا ہو گیا۔

(۲) مشرقی ہندوستان کی زبانیں۔ ان میں بہاری۔ بنگالی۔ آسامی اور اُڑیا شامل ہیں۔ ان زبانوں میں قدیم ہند آریائی حرف علت (اَ) کی جگہ (او) ہو گئی ہے۔ اور مستقبل لاحقہ (ب) سے بنتا ہے۔ جو سنسکرت احتمالی مجہول جزو فعل (تَویہ) سے بنا ہے۔

(ا) بہاری زبان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لفظ کے ماقبل آخر رکن سے پیشتر اگر کوئی رکن لمبا ہو تو چھوٹا ہو جاتا ہے۔ مثلاً (نَ اُ آ) "حجام" یہاں (نا اُ آ) کا (نَ اُ آ) ہو گیا ہے۔

(ب) بنگالی کی خاص نوعیت یہ ہے کہ اس میں ماگدھی پراکرت کی طرح سنسکرت (س) کی بجا (ش) ہو گئی ہے۔ سنسکرت (سُندَرَ) کی بجائے (شُندر) بولا جاتا ہے۔

(ج) آسامی کی قابل ذکر نوعیت یہ ہے کہ اس میں ہند آریائی ابتدائی (س) کی (خ) ہو گئی ہے۔ مثلاً (خات) "سات" سنسکرت (سپت)۔

(د) اُڑیا زبان کی نہایت قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قدیم ہند آریائی الفاظ کا آخری (اَ) اب تک برقرار ہے۔ مثلاً گھر "گھر"۔ لیکن بنگالی (گھور) — ہندوی (گھر)۔[1]

[1] گریرسن، جلد ۵، حصہ ۲، صفحہ ۳۶۷۔ جولز بلاک صفحہ ۱۸ - ۲۰۔

(۳) شمالی مغربی ہندوستان کی زبانیں۔

(ا) پنجابی، سندھی و لہندی (لہندا)۔ ان زبانوں میں پراکرت کے دوہرے حروف صحیح اب تک برقرار ہیں۔ مثلاً پراکرت (ستّ) سندھی (ستّ) لہندی ستّ "سات"

پنجابی زبان کی خاص نوعیت یہ ہے کہ اس میں ہند آریائی مرکب حروف صحیح میں جو (ر) تھا وہ اب تک برقرار ہے مثلاً پنجابی (ترے) سنسکرت (تریَ) "تین"۔ سندھی کی خصوصیت ایک قسم کے دبے ہوئے حروف صحیح ہیں جن کے تلفظ میں فم حلق کی بالکل بندش ہو جاتی ہے۔ اور پھر یکدم اس کے کھل جانے سے ایک کھوکھلی سی آواز نکلتی ہے جیسے ایک سخت کاک کو بوتل سے کھولنے سے آواز نکلتی ہے۔ مثلاً سندھی (ڈِیوا) "چراغ"۔ سنسکرت (دیپک ح) "چراغ"۔ اس سندھی لفظ میں (ڈ) دبا ہوا حرف صحیح ہے۔

لہندی کی خصوصیت اس کا لہجہ ہے جو کہ مرکب الفاظ میں لفظ کے دوسرے حصے یا آخری رکن پر پڑتا ہے۔ مثلاً (غلام نبیؔ) (رادھا کشنؔ) ان الفاظ میں (ب) اور (ش) پر دباؤ پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ حرف لمبے ہو جاتے ہیں۔ اور دوہرے سنائی دیتے ہیں۔[1]

(ب) درد گروہ جس میں کشمیری اور شنا شامل ہیں صوتیات کے

---

[1] سدھیشور ورما۔ صوتیات لہندا۔ صفحہ ۵۲ و ۵۳

نقطۂ نگاہ سے یہ زبانیں ابھی تک پراکرت کی منزل ہی میں ہیں۔ ان میں پراکرت کے دوہرے حروف صحیح اور اندرونی (ی) ابھی تک برقرار ہیں۔

کشمیری زبان کی خصوصیت اس کا نہایت ہی پیچیدہ اور لطیف نظام حروف علت ہے۔ اس میں ایسے باریک حروف علت موجود ہیں جن کے وجود کو صرف بولنے والا ہی محسوس کرسکتا ہے۔ سننے والے کو وہ سنائی نہیں دیتے۔ اگر سنائی دیں بھی تو سخت کوشش اور توجہ کے بعد۔ اس کے علاوہ یہ صوتی شکلیں ایسی پُراسرار ہیں کہ ان کو صوتی علامات میں قلمبند کرنا اور ان کی حقیقت کو سمجھنا ایک ماہر صوتیات کے لیے بھی نہایت مشکل ہے۔ مثلاً کشمیری (آٗ اسِ اٗس) "ہم تھے" اس میں تین حروف علت ہیں۔ اور تینوں کو علامات میں ظاہر کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ دوسرا حرف علت (یعنی (س) کے بعد " زیر ") ایسا باریک بولا جاتا کہ عام طور پر بولنے والا ہی اس کو محسوس کرسکتا ہے۔

(ج) کافری زبانیں۔ یہ چترال اور اس کے گرد و نواح میں بولی جاتی ہیں۔ ان میں کھووار۔ کلاشا وغیرہ بولیاں شامل ہیں۔ ان زبانوں کی نہایت نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان میں آریائی (ز) جس کی قدیم ہند آریائی میں بھی (ج) بن گئی تھی اب تک برقرار ہے۔ مثلاً کہتی (زونت۔ ر) "دوست" اوستا (زوشں) "لطف اٹھانا" سنسکرت (جوشں ٹر) "خوش کرنے والا"

کھووار کا خزانۂ الفاظ دیگر کافری زبانوں سے مختلف ہے۔ مثلاً

کھووار	کلاشا	بشگلی	ہندوستانی
لیشٹں	گگ	گاؤ	گائے

کلاشا میں تذکیرو تانیث کی قسم زیادہ مفقود ہو چکی ہے۔ ہاں بیجان اور جاندار کی قسم زیادہ موجود ہے۔

(۴) سنگھلی جزیرۂ لنکا میں بولی جاتی ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دم کشیدہ حروف صحیح اور خشکی حروف صحیح بالکل مفقود ہو چکے ہیں۔

(۵) جپسی زبان ہند آریائی زبانوں کا نہایت ہی حیرت انگیز اور بے نظیر مظہر ہے۔ اس زبان کو جپسی لوگ بولتے ہیں جو ہندوستان سے چل کر بیسوی چودھویں صدی سے یورپ کے مختلف ملکوں میں جا پہنچے تھے۔ یہ لوگ خانہ بدوش ہیں۔ جو چوری، رہزنی، پیشین گوئی وغیرہ سے گذارہ کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں کی بولیاں ناروے اور انگلستان تک جا پہنچی ہیں۔ ہندوستان سے انگلستان اور ناروے کے درمیانی ملکوں مثلاً ایران۔ ارمینیا۔ عرب روس۔ رومانیہ۔ جرمنی وغیرہ میں ان کی بولیوں پر ان ملکوں کی زبانوں کا بھی رنگ چڑھ گیا ہے" تاہم بنیادی زبان ہند آریائی ہی ہے۔ مثلاً انگلستان کے علاقے ویلز میں جو جپسی بولی ہے اس میں "دیکھتا ہوا" کے لیے لفظ ہے (دیکنگ)۔ اس لفظ میں (دیک) تو ہند آریائی لفظ مصدر "دیکھنا" کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور "اِنگ" انگریزی لاحقہ اسم حالیہ کا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد الفاظ اس زبان میں پراکرت سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ مثلاً ویلز کی جپسی میں مرد اپنی بیوی کو "(منُشنی)" کہتا ہے۔ جو سنسکرت (منُشیہ) "انسان" کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ اور جس کا پراکرت میں (منسّو) ہو گیا تھا[1]

---

[1] ڈاکٹر سیمپسن۔ ویلز کے جپسیوں کی بولی۔ صفحہ ۲۰۹۔

ہند یوروپی [دھ] کی آرمینیائی جیسی میں [تھ] ہوگئی جیسی اور ٹرکی میں [د] ہوگئی ہے۔ مثلاً آرمینیائی جیسی [تھو] "دھونا"۔ ٹرکی جیسی [دَو] "دھونا" جیسی بولیوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے۔ کہ ان میں ہند آریائی [د] کی [ل] ہوگئی ہے جو کہ مشرقی ایرانی زبانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً [گول] "دریا کا نام" سنسکرت [گومتی]۔

ایرانی زبانیں

ایرانی زبان کی خصوصیتیں

اب ہم آریائی زبان کی دوسری شاخ ایرانی پر مجمل نظر ڈالیں گے۔ ایرانی زبان کی خاص نوعیتیں یہ ہیں:۔

(۱) ہیئیے کی تحقیقات سے ظاہر ہو گیا ہے کہ ایرانی زبان کا بنیادی لہجہ دباؤ والا ہے۔ یہ دباؤ لفظ کے ماقبل آخر رکن پر پڑتا ہے اگر وہ رکن لمبا ہو۔ اور ماقبل آخر رکن سے پہلے رکن پر پڑتا ہے اگر وہ رکن چھوٹا ہو۔ مثلاً (یزدان) "ویرستش کرنے ہوئے" (حالت اضافی جمع) یہ پہلوی میں قدیم ایرانی (یَزَتانم) سے بنا ہے اور جس میں ماقبل آخر رکن (تا) (لمبا ہونے کی وجہ سے) پر دباؤ پڑا ہے۔ اس کے برعکس پہلوی (بیست) "بیس" (وی سَتیَ) سے بنا ہے جس میں دباؤ ماقبل آخر رکن سے پہلے (وی) پر پڑا ہے۔ اس دباؤ کے علامات اوستا میں بھی پائے گئے ہیں جس میں تاکیدی رکن میں آنے والی (ر) کی (ہ+ر) ہو جاتی ہے اگر اس کے بعد (ک) یا (پ) آجاوے۔ مثلاً (وَہرکو) سنسکرت (ورکَ) "بھیڑیا"۔ چونکہ اس قسم کا لہجہ شَتَ پتھ براہمن میں بھی پایا گیا ہے اس لیے غالباً یہ لہجہ آریائی تھا جس کے اثرات آریائی تبدیلئ حروفِ علت پر بھی پائے گئے ہیں۔ مثلاً سنسکرت (اَستِ) "وہ ہے"۔ اس میں پہلے رکن (اَس) پر دباؤ پڑنے کی وجہ سے (اَ) برقرار ہے۔ لیکن تثنیہ

(ستنہٰ) "وہ دو ہیں" اس میں دوسرے رکن پر دباؤ پڑنے کی وجہ سے پہلے رکن کے [آ] کا حذف ہوگیا ہے۔ بالکل اسی طرح اوستا [اس ۔ تِ] "وہ ہے" لیکن [ستی] "وہ دو ہیں"۔

(۲) قدیم ایرانی میں ایک دلچسپ مظہر دیکھا گیا ہے جو عہد حاضر کی ہند آریائی زبانوں میں ایک وسیع پیمانے پر پایا جاتا ہے یعنی کسی کام کی تکمیل کو جتلانے کے لیے مصدر [بوَ] یا [اِہ] (جن دونوں کے معنی (ہونا) ہے۔) کسی دوسرے فعل کے مشتق لفظ کے ساتھ لگایا جاتا ہے جس کی تشکیل حالت ظرفی یا منفاعی میں ہوتی ہے۔ مثلاً [ییذی شے یوائتی ستہم چت اُن ستراثی] "اگر وہ حکم بجالاتا ہے" یہاں فعل [بوائتی] دوسرے فعل کے مشتق ظرفی [ستراثی] کے ساتھ "بجالاتا ہے" کے معنی کو جتلانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ہندوستانی میں اس قسم کے بے شمار مرکب فعل استعمال ہوتے ہیں مثلاً "دے دو" "آجاؤ" "پی لو"۔ اس طریقے کی بنا قدیم ہند آریائی میں موجود نہیں ہے۔ شاید عہد حاضر کی ہند آریائی میں یہ مظہر ایرانی کے اثر کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس موضوع کی واضح تحقیقات لازمی ہے۔[۳]

[۱] راؤ تشلٹ۔ ایرانی صفحہ ۴۷ - ۴۸
[۲] " " اوستا کی پرائمر صفحہ ۹۶
[۳] " " ایرانی۔ صفحہ ۸۳

(۳) نحوی ترکیب میں قدیم ایرانی کی حالت اضافی مطلق ۔ حالت مقامی مطلق ۔ حالت فاعلی مطلق قابل ذکر ہیں [۱]

(۴) ستم زبانوں میں (دیکھئے ہندیوروپی زبانیں) صرف ایرانی ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں ہندیوروپی (گ) اور (گھ) کے مشتق الگ الگ رہے ہیں ۔ مثلاً

ہندیوروپی (گ) ہندآریائی (ج) آرینائی (چ) ایرانی (ز) بالٹک سلافی (ز)

ہندیوروپی (گھ) ہندآریائی (گھ) یا (ہ) آرینیائی (ز) یا (د) ایرانی (ز) بالٹک سلافی (ژ) [۲]

---

[۱] راؤ شلٹ ۔ ایرانی صفحہ ۸۱ ۔ ۸۲ ۔

[۲] ہیشمن ۔ رسالہ لسانیاتی تقابلی تحقیقات جلد ۲۳ صفحہ ۴۰

ایرانی زبان کا ارتقا

ایرانی زبان قدیم زمانے ہی سے دو بولیوں میں منقسم ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ ایران کے جغرافی حالات ہیں۔ قدرت نے ایران کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے ایک مشرقی اور دوسرا مغربی جن کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے۔ ان دونوں علاقوں کے باشندوں میں کبھی قریبی تعلقات پیدا نہیں ہو سکے۔ لہذا ان کی بولیاں مختلف ہیں[1]۔ قدیم ایرانی کی دو بولیاں تھیں۔ ایک اوستا اور دوسری قدیم فارسی۔ اوستا شمالی ایرانی کی ایک شاخ تھی۔ اور قدیم فارسی جنوبی ایرانی کی۔ اوستا کے سب سے قدیم حصے ساتویں صدی قبل مسیح سے پہلے کے نہیں ہو سکتے۔ ساسانیوں کے عہد میں (پانچویں صدی عیسوی) اوستا کی اصل عبارت از سر نو ترتیب دی گئی۔ اور ممکن ہے کہ اس زمانے کے لب و لہجہ کے بہت سے اثرات اس عبارت میں ہوں۔ قدیم فارسی ایران کی سرکاری زبان تھی۔ اس میں آریائی زبان کے متعدد الفاظ پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ہخامنی بادشاہوں کی سرکاری زبان آرامائی تھی۔

---

[1] رائی شلٹ۔ ایرانی۔ صفحہ ۱۔

اوستا اور قدیم فارسی کا مقابلہ

اوستا میں قدیم فارسی سے زیادہ حروف ہیں۔ اوستا میں بے رنگ حروف علت کے علاوہ زائد دُہرے حروف علت (اا ے) وغیرہ اور بہت سے حروف صحیح مثلاً تین قسم کی (ش) تین قسم کی (ز) وغیرہ پائی گئی ہیں۔ حروف علت (اِ) (اُ) کا اندراج اوستا میں نہایت نمایاں ہے مثلاً (بُوَ اِتِ) "ہوتا ہے" قدیم ہند آریائی (بھَوَتِ) "ہوتا ہے" (دااُرُ) "لکڑی" قدیم ہند آریائی (دارُ) لکڑی۔ لیکن قدیم فارسی میں اس اندراج کی بالکل عدم موجودگی ہے۔ اوستا میں سور بھکتی کا استعمال کثیر ہوتا ہے۔ مثلاً اوستا (ازِوم) "نصف" سنسکرت (اردھم) آدھا حصہ۔ اوستا (وَرَسو) "بال" سنسکرت (ولش) "بال" لیکن قدیم فارسی میں سور بھکتی کا استعمال شاذو نادر ہی ہوتا ہے۔

قدیم فارسی میں ہندیوروپی (ر + ت) برقرار ہے۔ لیکن اوستا میں اس کی (شِ) ہو گئی ہے۔ مثلاً

ہندوستانی	اوستا	قدیم فارسی	ہند آریائی
آدمی	(مشیہ)	(مرتِ یہ)	(مرتیہ)

اوستا میں حالت ظرفی کافی نمایاں ہے۔ قدیم فارسی میں اس کی بالکل عدم موجودگی ہے اور اس کی بجائے حالتِ اضافی مستعمل ہوتی ہے۔

قدیم فارسی میں تمام ماضی فعلوں سے پہلے حرف زائد (اَ) لگایا جاتا ہے۔ جیسے (اَبَرَم) " میں نے اٹھایا " لیکن اوستا میں صرف بیس ماضی الفاظ کے پہلے حرف زائد لگایا گیا ہے۔ جہاں اوستا زبان کی مشابہت ویدک زبان سے ہے وہاں قدیم فارسی کی مشابہت ٹکسالی سنسکرت سے ہے۔ ٹکسالی سنسکرت کی طرح قدیم فارسی میں ماضی ناتمام اور مضارع کے ساتھ حروف زائد ضروری لگتا تھا اور ٹکسالی سنسکرت کی طرح قدیم فارسی میں ماضی معطوفہ مجہول کا کثیر استعمال ہوتا تھا۔ لیکن صرف ونحو میں قدیم فارسی اتنی پرانی نہیں جتنی اوستا ہے۔ قدیم فارسی میں حالت ظرفی اور ماضی تمام مفقود ہو چکے تھے۔ مضارع اور ماضی ناتمام کی تشکیل ایک ہی ہو گئی تھی۔

قدیم فارسی اور پراکرت کی باہمی مشابہت

قدیم فارسی اور پراکرت میں نمایاں مشابہت ہے۔ مثلاً

(۱) پراکرت کی طرح قدیم فارسی میں لفظ کے آخری حرفِ صحیح کا یا تو بالکل حذف ہو گیا تھا یا وہ بالکل کمزور ہو گیا تھا۔

(۲) دونوں میں صیغۂ تثنیہ مفقود ہو گیا تھا۔

(۳) دونوں میں حالتِ ظرفی کی بجائے حالت اضافی کا استعمال ہوتا تھا۔

(۴) دونوں میں حالت ذریعہ جمع کے لاحقے [بِھس] کی تشکیلیں مستعمل ہوتی تھیں۔ سنسکرت کی طرح [آاِس] کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔

(۵) دونوں میں ماضی تمام مفقود ہو گئی تھی۔

(۶) دونوں میں ماضی تمام اور مضارع کی ایک ہی تشکیل بن گئی تھی[1]۔

---

[1] ۔ ایرانی لسانیات کا خاکہ صفحہ ۱۸۵، ۱۷۶، ۱۶۳، ۲۱۳، ۱۸۹ و ۱۹۰۔ ڈاکٹر سکمار سین ۔ صفحہ ۲۶۰ و ۲۶۱۔

وسطی فارسی یا پہلوی

وسطی فارسی یا پہلوی ایران کی اُس زبان کو کہتے ہیں جو عہدِ پارتھی آئی د ساساتی (۲۲۶ عیسوی سے ۶۴۲ عیسوی تک) میں ایران میں بولی جاتی تھی۔ اس کو کتابی پہلوی بھی کہتے ہیں۔ وسطی ایرانی کی دو نہایت نمایاں خصوصیتیں یہ تھیں:۔

(۱) قدیم ایرانی الفاظ کے آخری رکنوں (حروف علت یا حرفِ علت + حرف صحیح) کا حذف۔ مثلاً وسطی فارسی (سپد) "سو" قدیم ایرانی (ستم) "سو" وسطی فارسی (دیست) "بیس" اوستا (دی سئی تِ) بیس۔

(۲) سوائے فعل حال کے تمام فعلی تشکیلوں کا ترک اور ان کی جگہ پھیر پھار کی طرزِ کلام کا استعمال۔

(۳) فعل مجہول کی تشکیل کی توسیع۔

(۴) قدیم فارسی اور اوستا میں (ل) کی بالکل عدم موجودگی تھی۔ وسطی فارسی میں بھی (ل) کی کوئی واضح علامت نہیں ملتی۔ چند اسم معرفہ کے الفاظ میں جیسا کہ لاطینی میں مروج ایرانی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے (ل) بولی جاتی تھی۔ مثلاً (وولوگیس) یہ ایک ایرانی سکہ کا نام تھا۔

وسطی فارسی کی بولیاں

وسطی فارسی میں مندرجہ ذیل بولیاں تھیں۔

(۱) معیاری وسطی فارسی جس کی توضیح اوپر کی جا چکی ہیں۔

(۲) پارتھی آئی۔ یہ شمال مغربی ایرانی بولیوں میں سے تھی۔ لہذا معیاری وسطی فارسی سے جو درحقیقت ایک جنوبی بولی تھی بہت کچھ مختلف تھی۔ اس کی خصوصیتوں کا اندازہ مندرجہ ذیل حروف، لاحقوں اور مصدروں کی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے۔

پارتھی آئی		معیاری وسطی فارسی	
(ز)		(د)	
(س)		(ہ)	
منتزع لاحقہ (ایفت)		(ایہم)	
مصدر (کرن) "کرنا"		مصدر (کر) "کرنا"	
" (گوہ) "بولنا"		(واچ) "بولنا"	

(۳) سوغدی (چغدی)۔ یہ ایران کے شمال مغرب میں بولی جاتی تھی۔ اس میں بدھ۔ عیسائی اور مانی مذاہب (خاص کر بدھ مذہب کی) متعدد تصنیفات برآمد ہوئی ہیں۔ اس کی خصوصیتوں کا اندازہ مندرجہ ذیل تقابلی حروف سے لگایا جاسکتا ہے۔

چغدی	معیاری وسطی فارسی
[خ]	[ہ]
[ش]	[تھ + ر]
[و + ب]	[ر + و]
[ت + ف]	[تھ + و]
[ی]	[ہ + ی]

یہ آخری نوعیت عہد حاضر کی یغنوبی زبان میں بھی پائی جاتی ہے ۔

(۴) سکائی ۔ اس میں براہمی رسم الخط میں متعدد بدھ مذہب کی کتابیں برآمد ہوئی ہیں۔ اس بولی کی دریافت سے مغربی بولیوں کی خصوصیتوں پر بہت روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اور یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ جنوب مغربی فارسی بولیاں شمالی بولیوں سے بہت جدا ہیں ۔ اور بلوچی اور کردی درحقیقت شمالی ایرانی بولیاں ہیں ۔ سکائی کے خزانۂ الفاظ سے اور بھی ثابت ہوگیا ہے کہ مشرقی اور مغربی ایرانی بولیوں میں کتنا اختلاف ہے ۔ مثلاً لفظ [اردو] "پہلو" جو کہ بطور لاحقہ مقامی یا ظرفی حالت کے معنی میں سوغدی اور سکائی میں استعمال ہوتا ہے ۔

اگرچہ معیاری وسطی فارسی میں رسمی حالت کے تمام لاحقے مفقود ہو چکے تھے لیکن سوغدی اور سکائی میں چھ حالتیں محفوظ رہیں ۔ مثلاً حالت مفعولی میں لاحقہ (اُ) بجائے (ام) ۔ حالت ذریعہ میں سوغدی لاحقہ (آ) (جو کہ قدیم فارسی میں بھی تھا) حالت مقامی سکائی (آ) جو (ایا) سے مشتق تھا۔[1]

---

[1] رائشلٹ ۔ ایرانی صفحہ ۲۵ و ۲۸ و ۲۹ و ۷۲ و ۳ تک ۔

عہدِ حاضر کی ایرانی

عہدِ حاضر کی ایرانی زبانوں کی مندرجۂ ذیل خصوصیتیں ہیں۔

(۱) ان زبانوں میں تذکیر و تانیث (اپنے اپنے لاحقے کے ساتھ) بالکل مفقود ہو چکے ہیں۔ اگر تذکیر و تانیث کو ظاہر کرنے کا منشا ہو تو مذکر کے لیے لفظ (مرد) یا (نر) اور مونث کے لیے (مادہ) یا (زن) اسم کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔

(۲) صرفی و نحوی تدریجی تبدیلیٔ حروفِ علت جو قدیم ایرانی میں بہت نمایاں تھی اب چند اقسام زیادہ مثلاً فعل لازم و متعدی کے اختلاف کے جتلانے میں مستعمل ہوتی ہے۔ جیسے بلوچی (سُچگ) "جلنا" لیکن (سوچگ) "جلانا"۔ اسی طرح یہ تبدیلیٔ حروفِ علت عہدِ حاضر کی ہند آریائی میں فعل لازم و متعدی کے اختلاف کے جتلانے کے لیے برقرار ہے۔ مثلاً ہندوی "مڑنا"۔ "موڑنا"۔ "پھرنا"۔ "پھیرنا"۔

(۳) اسم کی گردان میں صرف دو حالتیں رہ گئی ہیں۔ ایک فاعلی دوسرا غیر فاعلی۔

(۴) مغربی ایرانی زبانوں میں ماضی ناتمام اور فعل تمنائی مفقود ہو چکے ہیں مگر مشرقی زبان سغدی میں ماضی ناتمام اور فعل تمنائی اب تک برقرار ہیں۔

۱۸۴۲۹

عہد حاضر کی ایرانی زبانوں کی گروہ بندی

عہد حاضر کی ایرانی میں مندرجۂ ذیل زبانیں شامل ہیں :۔

(۱) ادبی فارسی (۲) بحیرۂ کیسپین (خضر) کے گرد و نواح کی زبانیں (۳) کُردی زبان جو ترکی کردستان میں بولی جاتی ہے۔ (۴) متوسط ایران کی زبانیں (۵) افغانستانی فارسی (۶) بختیاری۔ بدخشانی و بدگلشتی (۷) پشتو (۸) غلچائی زبانیں (۹) ہندوستان کی ایرانی زبانیں۔

(۱) عہد حاضر کی ادبی و سرکاری فارسی کی مندرجۂ ذیل خصوصیتیں ہیں :۔

(ا) اس میں کثیر الاجزا الفاظ کے ابتدائی (اَ) کا حذف ہو گیا ہے۔ مثلاً۔

اوستا	پہلوی	ادبی فارسی	ہندوستانی
(اَپرَ نایُو)	(اپُرنائی)	(بُرنا)	(نوجوان)

(ب) ہندوستانی کی طرح حرف صحیح کے حذف ہونے پر سابق حرف علت کے عوض لمبائی ہو جاتی ہے۔ مثلاً

قدیم ایرانی	ادبی فارسی	ہندوستانی
(پنچ ست)	(پانصد)	"پانچ سو"

ہندوستانی	ادبی فارسی	قدیم ایرانی
"اندھیرا"	(تار)	(تن تھر)
"چیز"	(چیز)	(چش چیہ)

(ج) لفظ کے ابتدا میں اگر مرکب حروف صحیح ہوں، تو عہد حاضر کی فارسی میں ایک انضمامی حرف علت لفظ کے شروع میں لگایا جاتا ہے۔ مثلاً

"ہندوستانی"	ادبی فارسی	پہلوی
"سفید"	(اسپید)	(سپید)
"تھم"	(استون)	(ستون)

(د) اوستا و پہلوی (و) کی (ب) ہوگئی ہے۔ مثلاً

ہندوستانی	ادبی فارسی	پہلوی	اوستا
"بارش"	(باران)	(واران)	(وار)

(ھ) ہند یوروپی (پ) کی لفظ کے درمیان یا آخر میں (ب) ہوگئی ہے۔ مثلاً۔

ہند آریائی	پہلوی	ادبی فارسی
(تپ) "گرمی"	(تپ) "بخار"	(تب) "بخار"

(س) حروف علت کے درمیان میں قدیم ایرانی (د) کی (ی) ہوگئی ہے۔ مثلاً

اوستا	قدیم فارسی	ادبی فارسی
(پد) "پاؤں"	(نی پدی) "پاؤں کے پیچھے چلنے والا"	(پے) "پاؤں"

(ش) اس میں قدیم فارسی (د) لفظ کی ابتدائی (د) میں اب تک موجود ہے۔ اس کے بالمقابل اوستا میں (ز) تھی۔ مثلاً۔

ادبی فارسی	پہلوی	اوستا
[داماد]	[دامات]	(زاماتر)

(ریثیٰ ت) زانتثا) "تم جانتے ہو" (دانش) "جاننا" [داند] "وہ جانتا ہے"

(ص) حروف علت کے درمیان میں قدیم ایرانی (ک) کا (گ) ہوگیا ہے۔ مثلاً اوستا (آکست) "اس نے دیکھا" پہلوی (آکاس) "واقف" ادبی فارسی۔ آگاہ۔

(ض) قدیم ایرانی ابتدائی (ی) کی (ج) ہوگئی ہے مثلاً

ہندوستانی	ادبی فارسی	اوستا
"پیالہ"	[جام]	(یام)
"تیوہار"	[جشن]	(یسَنَ)

(ط) قدیم ایرانی (ر + د) کی (ل) ہوگئی ہے۔

ہندوستانی	ادبی فارسی	اوستا
"سال"	(سال)	(سَرَدَ)
"دل"	(دِل)	(زَرَد)

(۱) بحیرۂ خضر کے گردو نواح میں مندرجۂ ذیل بولیاں بولی جاتی ہیں:۔

(۲) مازندرانی (ب) گیلکی (ج) تالی (د) تات (ر) سمنانی ان میں سے تالی اور تات روس کے علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔ تات باکو اور اس کے گردونواح میں۔ اور تالی اس کے جنوب میں۔ ان بولیوں میں صوتی حذف و اختصار بہت پایا جاتا ہے۔ مثلاً ادبی فارسی (شب) "رات" کے بالمقابل مازندرانی اور تات (شو) تالی (شیو) سمنانی (شو) بولے جاتے ہیں۔

(۳) کُردی زبان علاقہ کردستان میں بولی جاتی ہے جس کا کچھ حصہ ترکی میں اور کچھ ایران میں واقع ہے۔ اس میں دو قسم کی (و) مروج ہیں۔ ایک نیم صوتی دوسری لب و دندانی۔ مثلاً (دُوَ) "دو" (جس میں (و) نیم صوتی ہے) لیکن (آوَ) "پانی" (جس میں وَ لب و دندانی ہے) اس زبان میں (س) کے علاوہ عربی (ص) کی طرح (ص) بھی بولی جاتی ہے۔ مثلاً (سَیتق) "بیقین" لیکن (صاحِب) "صاحب"۔

(۴) متوسط ایران کی زبانیں گبری۔ کاشانی۔ نائن اور سیوند ہیں۔ گبری زبان ایران کے پارسی لوگوں کی زبان ہے۔ اس زبان کو دَری بھی کہتے ہیں۔ ان زبانوں میں قدیم ایرانی (ت) کی (ی) ہو گئی ہے۔ مثلاً

ہندوستانی	کاشانی	عہدِ حاضر کی ادبی فارسی	اوستا
"گھر"	(کِ یا)	کد	کَتَ

گبری میں اس (ت) کی (ز) ہو گئی ہے۔ مثلاً گبری (میَں کزا ے شےَ) "میں گھر جا رہا ہوں"۔ تعجب ہے کہ گبری میں ہندوستانی میَں کے لیے "میَں" کا ہی استعمال ہوتا ہے۔ ان زبانوں میں قدیم ایرانی (و) ابھی تک برقرار ہے۔ حالانکہ دیگر ایرانی زبانوں میں اس کی (ب) ہو گئی ہے۔ مثلاً

ہندوستانی	گبری	کاشانی	ادبی فارسی
"ہوا"	(واد)	(ووئ)	(باد)

(۵) افغانستانی فارسی ایرانی فارسی سے قدرے مختلف ہے۔ اور ایران کے نو وارد لوگوں کو پہلے پہل ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ اس میں قدیم (اے)

(او) مجہول حروف علت برقرار ہیں جو کہ ایران کی عہد حاضر کی ادبی فارسی میں (ای) اور (اُو) ہو گئے ہیں ۔ اس زبان میں صیغۂ واحد غائب فعل حال کے (د) کا بالکل حذف ہو گیا ہے ۔ مثلاً (میگت) "(وہ) کہتا ہے" ایران کی ادبی فارسی (می گوید) "(وہ) کہتا ہے" چند دیگر اختلافات مندرجۂ ذیل جملوں سے ظاہر ہوں گے۔[1]

افغانستانی فارسی	ایران کی ادبی فارسی	ہندوستانی
مے توم	می دہم	"میں دیتا ہوں"
خاہد مگیرم	خواہم گرفت	"میں پکڑوں گا"

(۶) بختیاری بولی ایران کے جنوب میں بختیاری لوگ بولتے ہیں ۔ اس میں ادبی فارسی کی (خ) کے بالمقابل (ہ) بولی جاتی ہے ۔ مثلاً (ہہار) "کانٹا" ادبی فارسی (خار) ۔ ادبی فارسی (ای) کے بالمقابل (اے) بولی جاتی ہے ۔ مثلاً بختیاری (دیو) "جن بھوت" ادبی فارسی (دِیو) "جن بھوت" ۔ بختیاری (میش) "بھیڑ" ادبی فارسی (مِیش) "بھیڑ" ادبی فارسی (اُو) کے بالمقابل (ای) بولی جاتی ہے ۔ مثلاً

بختیاری	ادبی فارسی	ہندوستانی
(بیدن)	(بُودن)	"ہونا"

[1] ایرانی لسانیات کا خاکہ ۔ جلد ۱ حصہ ۲ صفحہ ۲۰ و ۲۳ و ۳۹ و ۶۷ و ۷۵ و ۴۴ و ۸۲ و ۳۷ و ۶۲ و ۵۱ و ۳۴۵ و ۳۵۳ و ۳۴۹ و ۳۵۷ و ۳۶۱ و ۳۸۱ و ۳۸۵ و ۳۸۶ ۔
مارگن شٹائی ارن ۔ افغانستان کا لسانیاتی سفرنامہ ۔ صفحہ ۷ و ۸

بختیاری	اوبی فارسی	ہندوستانی
(دیر)	(دُور)	"دُور"

بدخشانی افغانستان کے شمال مشرقی علاقے بدخشان اور مدگلشتی چترال کے ایک علاقے میں بولی جاتی ہے۔ یہ دونو بولیاں بہت مشابہ ہیں۔ ان کے حروف علت میں کوئی نمایاں اختلاف نہیں۔ حروف صحیح میں بدخشانی میں (ف) لیکن موگلشتی میں (پ) بولی جاتی ہے۔ مثلاً

بدخشانی	موگلشتی	ادبی فارسی
(فلوت)	(پُلوت)	فُولاد

بدخشانی (خ) کے بالمقابل مدگلشتی میں (غ) بولی جاتی ہے۔ مثلاً

بدخشانی	مدگلشتی	ادبی فارسی
(بوخ)	(بوغ)	(باغ)

ان دونوں بولیوں میں مصدر کا لاحقہ (ای دن) ہے۔ مثلاً

بدخشانی مدگلشتی	ادبی فارسی	ہندوستانی
(شمو ریدن)	(شمُردن)	"گننا"[1]

(۷) یغنوبی زبان روس کے علاقہ سمرقند کے مشرق میں بولی جاتی ہے۔ اور قدیم مشرقی ایرانی زبانوں کی تحقیقات کے لیے یہ نہایت اہم زبان ہے۔ اس زبان میں ہندیورپی ابتدائی (کھ) کا حذف ہوگیا ہے۔ مثلاً سنسکرت (کھرَ)

---

[1] لوری مر۔ بختیاری۔ بدخشانی۔ و مدگلشتی بولیوں کی تقابلی صوتیات صفحہ ۱۲۶، ۱۲۱ و ۱۰۔

"گدھا"۔ فارسی (خر) "گدھا" کے بالمقابل (اردو) "گدھا" ہے۔
اگرچہ یغنوبی کے بولنے والے اس لفظ کو منحوس سمجھ کر نہیں بولتے اس زبان میں ہندیوروپی (بھ) کی (و) ہوگئی ہے۔ مثلاً

سنسکرت	ادبی فارسی	یغنوبی	ہندوستانی
(بھراتا)	(برادر)	وِروت (مشرقی) (وَروت) (غربی)	"بھائی"

اگرچہ یغنوبی کا تعلق سوغدی (جو وسطی ایرانی میں شامل تھی۔ اور جس کا بیان اُوپر ہوچکا ہے) سے بہت قریبی ہے، لیکن یہ سوغدی کی براہ راست جانشین نہیں۔ کیونکہ جہاں سوغدی میں ایرانی (د + و) کی (د + ب) ہوگئی تھی، وہاں یغنوبی میں (د + و) برقرار ہے۔ اور ماضی صیغہ جمع غائب کی یغنوبی میں علامت (ر) ہے، لیکن سوغدی میں (انت) ہے۔[1]

(۸) غلچا زبانیں علاقہ پامیر، چینی ترکستان کی سرحد اور روسی ترکستان میں بولی جاتی ہیں۔ ان زبانوں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) وخی۔ یہ چترال کے شمال میں بولی جاتی ہے۔ (ب) شغنی۔ وخی کے شمال میں (ج) سریخولی۔ چینی ترکستان کی سرحد میں (د) زیباکی۔ اشکاشمی وخی کے مغرب میں۔

وخی زبان میں جمع بنانے کے لیے (ایشت) کا لاحقہ مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً (خُون) "گھر" (خون ایشت) (جمع)۔ (وُز) "میں" (سک ایشت) "ہم"

---

[1] ثینکر۔ یغنوبی زبان کا مطالعہ صفحہ ۳۵، ۱۲۵ اور ۱۲۸۔
راؤ شلٹ۔ ایرانی صفحہ ۴۸۔

شِنّی میں جمع کے لیے (این) کا لاحقہ مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً (چیدِ) گھر (چیدِ این) (جمع)۔

سریخولی میں جمع کے لیے لفظ (خیل) لگایا جاتا ہے۔ جس کے معنی "لشکر" ہیں۔ مثلاً (چید) "گھر" (چیدخیل) "جمع"۔

زیباکی۔ اشکاشمی میں جمع کے لیے لاحقہ (ائی) لگایا جاتا ہے۔ مثلاً (تات) "باپ" (تاتئی) (جمع)۔[1]

ہندوستان میں مندرجۂ ذیل ایرانی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ (ا) پشتو (ب) اور مُڑی (ج) بلوچی۔

(۹) پشتو ہندوستان کے سرحدی صوبے کے کثیر التعداد لوگ بولتے ہیں لیکن افغانستان میں اسے نصف سے کم لوگ بولتے ہیں۔ افغانستان کے شہروں میں فارسی زبان ہی بولی جاتی ہے۔ ہندوستانی زبانوں کے ساتھ نزدیکی تعلق ہونے کی وجہ سے اس زبان میں کوزی حروف بھی مروج ہیں۔ اس میں ایرانی الفاظ کی اندرونی (د) کی (ل) ہوگئی ہے مثلاً

اوستا	سنسکرت	پشتو	ہندوستانی
(پَدَ)	(پَدَ)	پل	پاؤں

اس زبان میں حالت اضافی میں سابقہ (دا) مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً (سڑی) "آدمی" لیکن (دا سڑی) "آدمی کا"۔ پشتو بلوچستان میں بھی بولی جاتی ہے۔ بلوچستانی پشتو میں (ف) و (ہ) شاذ و نادر ہی بولی جاتی ہیں۔

---

[1] گریرسن۔ لسانیاتی تبصرۂ ہند۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۳۵ و ۴۵۰ و ۴۶۷ و ۴۷۲ و ۴۸۱۔

پشتو میں حنکی حروف کا مظہر نہایت پیچیدہ ہے۔ اور اس میں فعل کا استعمال اس سے بھی پیچیدہ ہے۔[1]

اور مڑی زبان لوگر کی وادی میں بولی جاتی ہے جو کابل کے جنوب میں واقع ہے۔ اس زبان کی خصوصیتیں یہ ہیں۔

(ا) اس زبان میں حروف تعریف بھی مروج ہیں جو آریائی زبانوں میں ایک غیر معمولی مظہر ہے۔ یہ حرف تعریف (اَ) ہے جو بطور سابقہ لفظ کے پہلے لگایا جاتا ہے۔ (آسٹرئی) "(وہ) آدمی"

(ب) جمع بنانے کے لیے (ای) یا (اِنّ) کا لاحقہ لگایا جاتا ہے۔ مثلاً

(شور) "شہر" جمع (شیری)

(آدمی) "آدمی" جمع (آدم یّی)

(ہاتی) "ہاتھی" جمع (ہات یّی)

(ج) مختلف اسمی حالتوں کو جتلانے کے لیے سابقے لگائے جاتے ہیں۔ مثلاً

حالت اضافی (تَ سٹرئی) "آدمی کا"

حالت ذریعہ (پَ سٹرئی) "آدمی سے"

حالت مقامی (اِسٹرئی) "آدمی پر"

بلوچی زبان بلوچستان میں بولی جاتی ہے۔ اس میں دو بولیاں ہیں۔ ایک مشرقی دوسری مغربی۔ ان بولیوں میں بڑا اختلاف ہے۔ تاہم ان بولیوں کے

---

[1] مارگن سٹائی ارن۔ شمال مغربی ہندوستان کا لسانیاتی سفرنامہ صفحہ ۱۰ و ۱۳۔

بولنے والے ایک دوسرے کی بولی کو سمجھ لیتے ہیں۔ مشرقی بلوچی میں ابتدائی بندشی حروف (ک) (پ) (ت) (ٹ) ایک خاص دھماکے سے بولے جاتے ہیں۔ یہ ہندوستانی بندشی حروف سے بہت مختلف ہیں۔ مندرجۂ ذیل الفاظ سے مشرقی اور مغربی بلوچی میں فرق ظاہر ہوگا۔

مشرقی بلوچی	مغربی بلوچی	ہندوستانی
(اَشں)	(اَچ)	"سے"
(آف)	(اپ)	"پانی"
(براور)	(برابر)	"برابر"
(پھاد)	(پاد)	"پاؤں"

آریائی زبان کا ارتقا

اوپر کے بیانات سے ظاہر ہوگا کہ اگرچہ آریائی زبان کی عہد حاضر کی تشکیلوں میں بے شمار اختلافات ہوگئے ہیں، تاہم دونوں شاخوں ہند آریائی اور ایرانی کے ارتقا کا بنیادی رجحان ایک ہی ہے۔ کیونکہ

(۱) دونو پہلے مرکب زبانیں تھیں۔ اب تحلیلی زبانیں ہوگئی ہیں۔ مرکب طرز کلام میں ایک ہی لفظ کو سابقوں لاحقوں یا دیگر الفاظ کی امداد سے بڑھا کر رنگا رنگ کے معنی جتلائے جاتے تھے۔ عہد حاضر کی آریائی میں اس کی بجائے پھیر پھار کی طرز کلام کا زیادہ استعمال ہوتا ہے

(۲) دونو میں صرف و نحو پہلے بہت پیچیدہ تھی۔ اب بہت سادہ ہوگئی ہے۔

(۳) دونو میں لفظ کے آخری رکنوں کا حذف ہوگیا ہے۔

(۴) دونو میں لفظ کے اندرونی حروف صحیح کمزور ہوگئے ہیں۔ ہاں عہد حاضر کی ہند آریائی میں تو کثیر التعداد ایسے حروف کا بالکل حذف ہوگیا ہے۔ لیکن عہد حاضر کی ایرانی میں وہ حرف کمزور ہو گئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے وسیع رقبے اور بے شمار دشوار گزار پہاڑی علاقوں کی وجہ سے ہند آریائی میں کشمیری کی طرح رنگا رنگ تشکیل والی بولیاں نمودار ہوگئی ہیں۔ اور جپسی میں تو اس انحراف کا عظیم الشان منظر شاید ہی دنیا کی کسی اور زبان میں ہوا ہو۔ لہذا عہد حاضر کی ہند آریائی نے اب کچھ حد تک ایک بہت پیچیدہ صورت اختیار کر لی ہے۔ تاہم یہ فرق درجے کا ہے۔ قسم کا نہیں۔

اشاریہ

بلوچی	صفحہ	کاشانی	صفحہ
(ٹیچگ)	۷۷	(کبِ یا)	۸۱
(سوچگ)	۷۷	(دوئی)	۸۱
پشتو		**کردی**	
(تِل)	۸۵	(آوَ)	۸۱
(داسٹری)	۸۵	(آوَ)	۸۱
(سٹری)	۸۵	(دُوَ)	۸۱
تات		(سِتق)	۸۱
(شُو)	۸۰	(صاحِب)	۸۱
تالی		**گبری**	
(ششو)	۸۰	(کزائے)	۸۱
زیباکی		(یَیں)	۸۱
(تات)	۸۵	(واو)	۸۱
(تاتی)	۸۵	**مازندرانی**	
سریقولی		(شُو)	۸۰
(چیر)	۸۵	**مدگلشتی**	
(چیدخیل)	۸۵	(یوغ)	۸۳
سمنانی		(یُولوت)	۸۳
(شُو)	۸۰	(شموریدن)	۸۳
شغنی		**وخی**	
(چید)	۸۵	(خُون)	۸۳

17-5-1975

غلط نامہ

غلط	صحیح	صفحہ
(اِتھی)	(اِنّھی)	۱۶
ادبی زبان کی بنیادی نوعیت	معیاری زبان کی بنیادی نوعیت	۲۱
(اڑن)	(اڑنڑر)	۴۵
(ازدم)	(اڑدم)	۷۱
(اَستِ)	(آستِ)	۶۷
(اُسرانیشش)	اُسرانیش	۳۹
(اشت)	(آشتَ)	۴۳
(اشِ نارِاتم)	(ہپتاارِت)	۳۷
(ابشٹ)	(آبشٹ)	۴۳
(اوجنِ ہ)	(اوجب ہ)	۴۰
(اڈکتو)	*(اڈکتو)	۳۵
(اُڈرہے)	(اڈرہے)	۳۹
(اُواز)	(آرینیائی اُواز)	۴۰
(بھ رگیٹت)	*(بھ رگیٹیت)	

غلط	صحیح	صفحہ
(بیت)	(بیت)	۶۷
(بینج)	(بینج)	۳۰
(پانئی)	(پانئی)	۵۴
(پنیتر)	*(پنیتیر)	۳۶
(پنیتر)	(پنیتیر)	۳۶
(پښتنی)	(پښتنی)	۲۶
(پښتو)	(پښتو)	۳۶
(تاپ بیت)	(تاپ بیت)	۴۰
(تاپ یے ات)	(تاپ یے ات)	۴۰
(نمنائی)	(تمنائی)	۷۷
(توخم)	(توخم)	۴۹
(حرت)	(حرت)	۴۰
(خاکہ)	(خاکہ)	۳۹
(کدر)	(کدر)	۸۱
(کشترم)	(کشبترم)	۴۹
(کھلاشا)	(کلاشا)	۶۱
(فاعد)	(فاعدہ)	۴۷
(قسم زیادہ)	(قسم زیاد)	۶۲
(گری نٹرام)	(گری نٹرام)	۳۷

غلط	صحیح	صفحہ
(گھور)	(گھور)	۵۹
(لیشُ)	(لیشُ)	۶۱
(مرگَ)	(مرگَ)	۵۶
(م۔ن۔ دھ تا)	*(م۔ن دھ تا)	۳۷
(مبنوس)	(مبنوس)	۳۶
(موگلشتی)	(مدگلشتی)	۸۳
(دل ش)	(دَل شَ)	۷۱
(ون ابیش)	(ون دابیش)	۳۹
(ده دوابیں)	(ده ابیں)	۶۸
(وہشنا بیو)	(وہشتا بیو)	۳۹
(وِہشتَ)	(وَاِشتَ)	۴۳
(ویسَ)	(دیسَ)	۵۶
(ویست)	(وِیست)	۷۴
(ویو)	(دیو)	۸۲
(پیتَ)	(ہپیتَ)	۳۵
(ہپست)	(ہپیتَ)	۴۳
(ہوجودگی)	(موجودگی)	۱۰
(یعنی (چھ) (جھ) اور ن)	(یعنی (چ) اور (ج))	۴۷